فہرست مضامین

قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر ۱

شمارہ نمبر ۶

ذی قعدہ ۱۳۸۵ھ

مارچ ۱۹۶۶ء

فی پرچہ پچاس پیسے

سالانہ چھ روپے

غیر ممالک

سالانہ ۱۶ شلنگ

نقش آغاز

حج وزیارت نبویؐ

قربانی اور اسلام

مقالات

متفرقات

سمیع الحق (استاد دارالعلوم حقانیہ) طابع وناشر نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا

(ملکیت دارالعلوم حقانیہ)

نقشِ آغاز

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان کی مرکزی مجلس شوریٰ نے حضرت مولانا عبد اللہ صاحب درخواستی مدظلہٗ کی صدارت میں ۲۰ فروری ۱۹۶۶ء کے اجلاس منعقدہ لاہور میں عائلی قوانین کی منسوخی کے بارہ میں موجودہ حکومت کی سرد مہری اور مسلمانان پاکستان کے مسلسل مطالبوں کو نظر انداز کرنے کے بارہ میں ان الفاظ سے ایک قرارداد منظور کی ہے۔ "جمعیۃ العلماء اسلام پاکستان کا یہ اجلاس انتہائی افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرتا ہے۔ کہ موجودہ حکومت نے عائلی قوانین نافذ کر کے قرآن پاک کے احکام کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے کروڑوں مسلمانوں کے جذبات کو ٹھکرایا ہے۔ پھر قومی اسمبلی میں علماء کرام کے مشورہ سے اس میں ترمیم کرنے اور صدارتی انتخاب کے دوران پورے زور سے ان کو بلکہ تمام قوانین کو اسلام کے مطابق بنانے کے وعدے کئے گئے گذشتہ صوبائی اسمبلی نے تقریباً متفقہ طور پر ان قوانین کو منسوخ کرنے کی سفارش کی سنٹرل اسمبلی نے ترمیمات کے لئے سب کمیٹی مقرر کی جس نے ترمیمات کا مسودہ بھی تیار کیا۔ اس کے بعد ان کو اسلامی مشاورتی کونسل کے نام ٹالا گیا۔ اب حکومت نے ان پر عملدر آمد کرانے پر زور دیا ہے۔"

قرارداد میں آگے چل کر خاندانی منصوبہ بندی۔ رقص و سرود۔ عریانی اور بے حیائی کی حوصلہ افزائی اور سرپرستی نیز حج جیسے اسلامی شعار پر پابندی لگا کر مسلمانوں کے جذبات و احساسات کا خون کرنے پر شدید افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔ ملک بھر کے علماء کرام کے اس نمائندہ اجلاس میں اسلامی ریسرچ و تحقیق کے نام پر ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور غلام احمد پرویز جیسے الحاد زدہ افراد کی سرپرستی میں اسلام کے قطعی احکام اور نصوص کیساتھ تلاعب و تحریف پر شدید رنج و غصہ کا اظہار کیا گیا ہے۔ اور حکومت کو واضح الفاظ میں کہا گیا ہے۔ کہ پاکستان کی مسلم اکثریت کے جذبات کو اسلام کو بازیچۂ اطفال بنانے والے ان روشن خیال "محققین" کے تحریف اور دست برد سے بچایا جائے۔ اور دیگر تمام مفاسد کی اصلاح کے ساتھ ساتھ عائلی قوانین کو فی الفور منسوخ کر دیا جائے۔

جمعیۃ العلماء اسلام کی یہ قرارداد نہ صرف ملک کے علماء و مشائخ کے جذبات کی مظہر ہے۔ بلکہ اس کی ہر شق میں پاکستان کی مسلم قوم کے احساسات اور تقاضوں کی ترجمانی کی گئی ہے۔ جہاں تک عائلی قوانین کا تعلق ہے۔ اس کے نفاذ سے لیکر اب تک چند مغربیت زدہ تجدد یافتہ افراد اور فیشن زدہ خواتین کو چھوڑ کر

ملک کی اکثریت نے مسلسل بلا لحاظ مسلک و فرقہ متفقہ طور پر اپنی ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔ ملک کے ان تمام علماء نے جو اپنے رسول کے وارث اور علوم کتاب و سنت کے حامل و محافظ ہیں۔ تحریر و تقریر سے عقلی و نقلی دلائل و براہین کے ساتھ اس کی ایک ایک شق کو مداخلت فی الدین قرآن کے قطعی نصوص کی تحریف سنت نبوی اور تعامل امت کے لئے ایک چیلنج ہونا ثابت کیا ہے۔ قرآن کریم اور پیغمبر اسلام کے پیش کردہ لائحہ حیات اور نظام تہذیب و تمدن پر ایمان رکھنے والے کسی بھی دینی اور علمی حلقہ میں اس کے بارہ میں دو رائیں نہیں پائی جاتیں یہاں تک کہ اس کے بارہ میں مسلمانوں کے جذبات کی شدت کا احساس خود صدر پاکستان بھی کر چکے ہیں۔ جنہوں نے صدارتی انتخابات کے دوران بارہا بھرے جلسوں میں اس پر نظر ثانی کرنے کا وعدہ کیا مگر ہنوز اس وعدہ کے ایفاء سے گریز ہو رہا ہے۔ آخر کب تک ایک اسلامی ملک میں اسلامی رعایا پر ایک ایسی چیز ٹھونسی جائے گی جنہیں نہ ان کا تمدن اور معاشرہ قبول کر سکتا ہے اور نہ ان کی مشرقی روایات اور جس کا نہ قرآن کریم اجازت دیتا ہے۔ اور نہ حدیث رسول اور نہ اس پر ملک کی مادی بقا، ترقی و استحکام اور کسی اہم مسئلہ کا دار و مدار ہے۔ سوائے اس کے کہ چند یورپ زدہ خواتین کی دلجوئی ہو۔ اور انہیں اخلاقی انارکی کی کھلی چھٹی مل جائے۔ اور حقوق نسواں کے نام پر عورتوں کو اسلام کے جائز اور صحیح حقوق سے بھی محروم کر دیا جائے۔ کیا اچھا ہوتا کہ عائلی قوانین کے اجراء و تنفیذ کی یہ کوششیں عورتوں کو صحیح اسلامی حقوق دلواتے اور ملک میں صحیح اسلامی معاشرہ و نظام کی استواری پر صرف ہوتیں اور اسی طرح یہ ملک اس کے خدا کی رحمتوں اور خوشنودیوں سے مالامال ہو جاتا۔ دوسری طرف ہم اس اخلاقی زوال اور کردار کی تباہی امن و سکون کی بربادی کا نشانہ بھی نہ بنتے جس کا شکار آسمانی تعلیمات سے باغی اور سرکش یورپ ہے کہ ایسے ہی نام نہاد اصلاحی دفعات و قوانین ان کی اخلاقی موت اور خودکشی کا باعث بن رہے ہیں۔ اور جس کی طرف تیزی سے ہمارا معاشرہ رواں دواں ہے۔

جمعیۃ العلماء اسلام کی اس قرارداد کی پُرزور تائید کرتے ہوئے ہم صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان صاحب سے ملک و ملت کے نام پر ایک بار پھر یہ التجا کرتے ہیں، کہ وہ اسلام اور پاکستان کی سالمیت و بقا کے نام پر عائلی قوانین پر نظر ثانی کریں۔ اور ان تمام غیر شرعی منصوبوں اور مفسدانہ سرگرمیوں پر پابندی لگا دیں۔ جو نہ صرف انکی عزت و وقار بلکہ ایک اسلامی جمہوریہ کی عظمت و تقدس کیلئے ایک بدنما داغ ہیں۔ مسلمان قوم کی کامیابی و فلاح صرف ان احکام و قوانین پر منحصر ہے جنہیں ان کے خالق خدائے حکیم و علیم نے متعین کیا ہے۔

جمعیۃ العلماء اسلام کے اسی اجلاس میں ناظم عمومی جمعیۃ حضرت مولانا غلام غوث ہزاروی اور قائد جمعیۃ حضرت مولانا مفتی محمود صاحب نے پچھلی جنگ کے دوران جمعیۃ العلماء کی سرگرمیوں پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا کہ علماء کی اس جماعت نے ملک میں حکام سے مکمل تعاون کر کے دفاعی فنڈ کے لئے کروڑوں روپے اکٹھے کرنے میں حصہ لیا علماء نے مقامی طور پر حکومت کے دفاعی فنڈ کیلئے تمام ذرائع اثر و رسوخ استعمال کئے اسی طرح مرکزی

جمعیۃ العلماء نے کئی لاکھ کی خطیر رقم حکومت کو پیش کی جس کا باقاعدہ حساب موجود ہے۔ اس کے علاوہ تقریباً پچاس ہزار کی تعداد میں کپڑے بستر ے اور ضروری اشیاء مہاجرین میں تقسیم کئے گئے اور ملک کے گوشہ گوشہ میں دورے کر کے علماء نے کام کیا۔ یہ ایک جھلک ہے ملک کے اس طبقہ کی صرف ایک جماعت کی جن کو علماء کرام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے جس نے پشاور اور دور دراز سرحدی قبائل سے لیکر مشرقی پاکستان کی دور افتادہ بستیوں تک مسلمانوں کو جہاد جہاد کے نام سے جھنجھوڑا اور محراب اسٹیج ریڈیو سے لیکر خلوت وجلوت، محفل ومجلس تک پوری قوم میں جہاد و سرفروشی کی آگ لگادی۔ خدائے رب العالمین کے وعدہ ہائے فتح ونصرت اور دشمن کی شکست و بربادی کے یقین سے قوم کے سینوں کو معمور کیا۔ جہاد و شہادت کے فضائل بیان کر کر کے قوم میں والہانہ قربانی اور جانبازی کے ولولے پیدا کئے اور یہ جو کچھ کیا گیا۔ اپنا فرض دینی و دنیا کی سعادت جان کر کیا نہ کسی داد و دہش کی امید اور نہ کسی سے تحسین وآفرین کی توقع کہ ان اجری الا علی رب العالمین خواہ اس کا نمونہ "بڈیارہ" کے شہید امام مسجد نے پیش کیا یا ملک کی لاکھوں مساجد کے ائمہ و خطیب حضرات نے منبر و محراب اور اعلاء اسلام کے اونچے اونچے مظہر میناروں سے یا جنگ کے ہر میدان کارزار میں فوجوں کی دینی امامت و رہبری کی شکل میں۔

اسلام و جہاد کے نام پر حاصل کی گئی فتح و کامرانی کے بعد ایک اسلامی جمہوریہ میں دینی قیادت و رہبری رکھنے والے علماء مشائخ کو اس کا کیا صلہ دیا گیا اور کون سا تمغہ ۔۔۔۔ جہاں تک ہماری معلومات کا تعلق ہے آج تک جہاد کی اس کامیابی و کامرانی کے سلسلہ میں اس طبقہ کی خدمات کا بھولے سے بھی ذکر نہیں کیا گیا۔ اور نہ ان کی بے لوث خدمات جلیلہ کو چند کلمات تحسین سے سراہا گیا۔ کجا یہ کہ مجموعی یا انفرادی طور پر ان حضرات کو کوئی تمغہ یا کریڈٹ دیا گیا ہو۔ جب کہ اس باب میں ارباب اقتدار کی جود و بخشش کا یہ عالم ہے کہ موسیقاروں، گویوں اور گلوکاروں رقص وسرود کی نیوالی کنجریوں اور رقاصوں تک کو صدارتی ایوارڈ دیئے گئے۔ تمغوں اور اعزازات القاب وخطاب سے انہیں نوازا گیا۔ سبحان اللہ کیا عالم ہے داد و دہش کا ۔۔۔۔ جہاد کی کامیابی و کامرانی اور دشمن اسلام کی سرکوبی کا کریڈٹ فلمی ایکٹرسوں اور قوم کے اخلاق و کردار کے غارتگروں کو دیا جائے۔ اور اگر احساس تک بھی نہ ہو تو قرآن وسنت کے نام پر حاملین کتاب وسنت کی جد وجہد اور قربانیوں کا جن کے قرآن وسنت کے زمزموں اور اسلاف کے مجاہدانہ کارناموں کے ترانوں سے ملک میں جہاد و شہادت کا غلغلہ بلند ہوا ۔۔۔۔

ابھی حال ہی میں وزارت نشریات کی طرف سے اعلان کیا گیا کہ موسیقاروں اور گلوکاروں کو ۱۸ سونے کے تمغے دینے کے لئے مقابلہ کا اہتمام کیا جا رہا ہے۔ نیز ملک کے دونوں حصوں کے فنکاروں کو مزید ۹۹ تمغے دیئے جائیں گے۔ جنہوں نے جنگ کے دوران گیت گائے یا ان کی دھنیں بنائیں۔ طاؤس و رباب کی حوصلہ افزائی کے نام پر سرپرستیوں کا یہ عالم ہے کہ دفاع کے نام سے ورائٹی شو ہونے لگے۔ فلمی عورتوں اور مردوں کے کرکٹ میچ کھیلے گئے اور اس سے حاصل شدہ حرام کمائی کو ایک اسلامی ریاست کے دفاعی فنڈ میں جمع کیا گیا۔ یہاں تک کہ

ان حیا سوختہ طوائفوں کو محاذِ جنگ میں بے حیا کر مجاہد اور غیور فوجیوں کے سامنے نچوایا گیا۔ اور اس طرح اس مقدس سرزمین کی توہین کی گئی جو مسلمان مجاہدوں کے خونِ شہادت سے لالہ زار بنی ہوئی تھی۔ شہری دفاع کے نام پر بے پردہ عورتوں کی پریڈیں شروع ہو گئیں اور اخبارات میں ان حیا سوز مناظر کی خوب خوب تشہیر کی گئی۔ پھر اللہ کی اس ناشکر گزاری اور کفرانِ نعمت کا قدرتی ردعمل ملک کی عام بے چینی، انتشار و بے اعتمادی، تشتت و افتراق کی صورت میں ظاہر ہو رہا ہے۔

غرض ایک طرف ——یوں کا یہ عالم اور دوسری طرف اس طبقہ "خیارِ امت" (علماء و مشائخ) کے ساتھ ناقدر شناسوں کی یہ پرانی ریس ہے۔ کہ جب بھی ملک کی سالمیت و بقاء مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت اور مدافعت کا موقعہ آیا تو یہ لوگ جہاد و قربانی کی صفِ اول کے قائد و سپاہی بن کے نکلے۔ لیکن جب تحسین و آفرین اور اعزاز و اکرام قیادت و سیادت کا وقت آیا تو انہیں رجعت پسند اور دقیانوس ہونے، ملک کی ترقی میں روڑے اٹکانے والے اور کیا کیا خطابات سے نوازا گیا۔ کہ ملکی سیاست و قیادت کا انہیں کیا حق! ان کا مقام تو مسجد و محراب ہے! انہیں کیا حق کہ مدرسہ و خانقاہ کی چار دیواری سے نکل کر حریم سیاست و قیادت میں دخل دیں اور ملک کی حقیقی فلاح و خیر خواہی کے لئے اور معاشرہ کو تباہی و بربادی سے بچانے کے لئے کوئی آواز نکالیں ——— کیا ناقدر شناسی اور احسان فراموشی کا ایسا سلوک ملک کے کسی دوسرے طبقہ کے ساتھ بھی روا رکھا گیا ہے ———؟

چند دن پہلے اخبارات میں خاندانی منصوبہ بندی کے ایک افسر کی رپورٹ میں بتایا گیا کہ پچھلے چند دنوں میں صرف ایک علاقہ میں دو ہزار بچے اس منصوبہ کی وجہ سے پیدا نہ ہو سکے۔ انا للہ۔ معلوم نہیں وہ کونسا آلہ اور پیمانہ ہے جس سے اعداد و شمار کے یہ اندازے لگائے جا رہے ہیں مسلمان کا تو یہ عقیدہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ایک "نسمہ" (جرثومہ) تک کے پیدا کرنے کا فیصلہ کیا ہو تو کوئی طاقت اسے اس کارخانہ ہست و بود میں آنے سے نہیں روک سکتی۔ خلق و امر کے سرچشمے اور رزق و معاش کے خزانے اُسی کے ہاتھ میں ہیں۔ جو لوگ قوانین قدرت اور نوامیس فطرت میں اس طرح مضحکہ خیز دخل اندازیاں کر رہے ہیں وہ یقیناً اپنی رسوائی و ناکامی کا سامان فراہم کر رہے ہیں۔ اگر بالفرض والمحال پیدا ہونے سے پہلے ہلاک کئے جانے والے بچوں کی یہ تعداد صحیح بھی ہے۔ تو کیا اُن حرامی بچوں کی شرح اضافہ اور تعداد پر بھی روشنی ڈالی جا سکے گی جو اس پلاننگ کی بدولت معمولی معمولی زچہ خانوں اور ہسپتالوں میں پیدا ہوتے ہیں۔ یا جنہیں زندگی کے سانس لینے سے قبل ہی کوڑے کرکٹ کے ڈھیروں اور شہر کے گندے نالوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ کیا اعداد و شمار کے رجسٹر سے اس بات کی وضاحت بھی ہو سکتی ہے کہ کتنے افراد نے اس کا جائز و حلال مصرف میں استعمال کیا۔ اور کتنوں نے ناجائز و حرام طریقوں سے ———؟ واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق

میرے بزرگو! روزہ، حج یہ دو عبادتیں اللہ تعالیٰ کی صفت محبوبیت کی بنا پر مقرر کی گئیں اور نماز روزہ زکوٰۃ اللہ کی صفت مالکیت کی بنا پر۔ اب پھر دیکھو اگر کوئی شخص کسی سے محبت کرتا ہے۔ پھر دوسروں سے بھی محبت رکھتا ہے تو اسے جھوٹا کہتے ہیں۔ محبوب کے علاوہ سب کو چھوڑ دینا محبت کا تقاضا ہے۔

من کان یرجو لقاء ربہ فلیعمل عملاً صالحاً ولا یشرک بعبادۃ ربہ احداً[1]

اللہ تعالیٰ کا جمال گوارا نہیں کرتا کہ دوسرے سے بھی محبت کی جائے پہلی منزل محبت کی یہ ہے۔ کہ محبوب کے سوا سب سے منہ پھیر لو۔ روزہ میں کھانا پینا اور بیوی سے ہمبستری کو چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ عام لوگوں کے لئے ہے۔ مگر خواص کا روزہ یہ ہے کہ تمام گناہوں کو چھوڑ دیں اور اخص الخواص کا روزہ یہ ہے کہ ذاتِ مقدس کے سوا سب کو چھوڑ دیں۔ غیر اللہ کو سامنے بھی نہ لائیں۔ یہ عشق کی پہلی منزل ہے۔ رمضان گذرا شوال سے عشق کی دوسری منزل شروع ہوئی دوسری منزل یہ ہے کہ محبوب کے در و دیوار کی طرف توجہ کی جائے جہاں اس کا کوچہ ہے، جہاں اس نے دوسروں کو نوازا ہے۔ وہاں جایا جائے۔ اس کے در و دیوار کے پاس پہنچا جائے اور جمالِ محبوب کو حاصل کرنے کی کوشش کی جائے اس کے گھر کے اردگرد دیوانہ وار پھرا جائے اس کے در و دیوار سے چمٹ کر اس کے سنگِ در کو بوسہ دیا جائے

~ امر علی الدیار دیارِ لیلیٰ	اقبل ذا الجدار و ذا الجدار
وما حب الدیار شغفن قلبی	ولکن حب من نزل الدیار[2]

[1] جو وصالِ مولیٰ کی امید رکھتا ہے تو عمل صالح اختیار کرے اور اس کی بندگی میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔ ۱۲

[2] لیلیٰ کی بستیوں سے گذرتے وقت کبھی ایک دیوار چومتا ہوں کبھی دوسری۔ در و دیوار کی محبت نے مجھے سراسیمہ نہیں بنایا بلکہ ان کے مکینوں اور باشندوں نے جو اس میں کسی وقت اترے تھے۔ ۱۲

مجنون کہتا ہے کہ میں دیار محبوب پہ پہنچتا ہوں تو اس کے در و دیوار کو بوسہ دیتا ہوں اور مجھ کو ان در و دیوار نے مجنون نہیں بنایا بلکہ گھر والے نے (من نزل الدیارا) نے مجنون بنایا ہے۔ جس قدر دیار محبوب سے قریب تر ہوتے جاؤ آتش شوق بھڑکتی جائے۔ ؎

وعدہ وصل چوں شود نزدیک　　　آتش عشق تیز تر گردد

عاشق کو کہاں زیبا ہے کہ عشق بو ئندیہ ہو گیں۔ یہ لڑے جھگڑے اس پر شہوت کا غلبہ اور معشوق کی نافرمانی کا صدور ہو۔ فمن فرض فیھن الحج فلا رفث ولا فسوق ولا جدال فی الحج۔

عاشق ہمیشہ سرنگوں رہتا ہے۔ عشق کا تقاضا ہے کہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہ ہو اگر سچا عاشق اور سچی محبت لیکر نکلے تو ہر چیز سے بالاتر ہو کر محبوب سے لپٹ جاؤ۔

میرے بھائیو! اللہ پاک کے گھر کی طرف جا رہے ہو اس راہ میں بہت سی مشکلات پیش آئیں گی۔ ہمیشہ لڑائی جھگڑے سے بچتے رہو اور یہ ہمیشہ یاد رکھو کہ خدا پاک مجھ کو دیکھ رہا ہے۔ وہ تمہارے ہر حال کو دیکھتا ہے۔ اس کا نام لیتے ہوئے لبیک اللھم لبیک لاشریک لک لبیک ان الحمد والنعمۃ لک کہتے ہوئے چلو یہ آواز بلند کرتے ہوئے اللہ پاک کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے تواضع و سکون کے ساتھ چلو جس قدر ممکن ہو صبح و شام دوپہر چڑھتے ہوئے اترتے ہوئے ہر حال میں لبیک اللھم لبیک۔۔ الخ پڑھتے رہو۔ لاشریک لک بار بار کہا جاتا ہے۔ سوائے تیرے ہمارا کوئی محبوب نہیں۔ سلے ہوئے کپڑے اتار دو خوشبو بھی ترک کر دو، دو کپڑے بغیر سلے ہوئے پہن لو سر کو ننگا رکھو جوتا پہنو مگر پیر کے اوپر کی ہڈی ابھری ہوئی ہو چھپنے نہ پائے۔ سرمہ نہ لگاؤ، خوشبو نہ لگاؤ، بالوں کو نہ سنوارو، نہانا ضرورت شرعیہ سے جائز ہے۔ خوشبو لگانا۔ بالوں کو اکھاڑنا، سنوارنا جائز نہیں۔ شکار مت کرو۔ غرض کہ دیوانوں کی صورت بناؤ یہ چیزیں تو اس کے لئے ہیں جو ہوش و حواس میں ہو، عشاق کو اتنا ہوش کہاں ؎

نو بہار است جنوں چاک گریباں مددے　　　آتش افتاد بجان جنبش داماں مددے

ہم نے تو اپنا آپ گریباں کیا ہے چاک　　　اس کو سیا سیا نہ سیا پھر کسی کو کیا

عشق میں تیرے کوہ غم سر پہ لیا جو ہو سو ہو　　　عیش و نشاط زندگی چھوڑ دیا جو ہو سو ہو

جس قدر مکہ معظمہ سے قریب تر ہوتے جاؤ دیوانگی اور جنون کے آثار بڑھتے جائیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے آنکھیں

دی ہیں۔ وہ دیکھتے ہیں۔ کہ مکہ معظمہ وخانہ کعبہ میں آثار صفت جمالیہ ظاہر ہیں۔ ہم کو رسے ان بزرگوں کی اطاعت وپیروی میں جو یہ آثار دیکھتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے گرد سات چکر لگاتے ہیں۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں۔ بہر حال یہ عبادت مظہر عشق ہے۔ اور اللہ تعالیٰ محبوب اس لئے اندر اسباب محبت باتم الوجوہ پائے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہی حقیقتاً محبوب ہیں۔ یہ حج اسی نے فرض کیا گیا کہ اسی محبوب حقیقی کے پروانے بنو۔

حضرت ابراہیم نے اپنے اکلوتے بیٹے کو قربان کر دیا۔ عاشق کو عشق کی راہ میں کوئی نصیحت کرتا ہے۔ تو اسکو غصہ آتا ہے۔ اور وہ ناصح کو پتھر مارتا ہے جب حضرت اسماعیلؑ جان کی قربانی دینے جا رہے تھے۔ تو راستے میں تین جگہ ناصح نادان شیطان نے سمجھایا باپ کے ساتھ کہاں جا رہے ہو۔ انہوں نے پتھر مارے۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیلؑ کو ذبح ہونے سے بچالیا اور جنت کے مینڈھے کو ذبح کرا دیا۔ یہ اب شریعت ہے کہ مینڈھے اور دنبے کو ذبح کرنا گویا بیٹے کو ذبح کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا عشق لے کر جا رہے ہو تو جس قدر ممکن ہو عجز و انکسار اختیار کرو۔ جملہ عاشقوں کے سردار آقائے نامدار حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر جس قدر ممکن ہو درود شریف پڑھتے ہوئے تلاوت کرکے ہدیہ کیجئے۔ اس راہ عشق کے سردار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس لئے میرے نزدیک اور علماء کے ایک گروہ کے نزدیک پہلے مدینہ منورہ جانا افضل ہے۔ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاؤک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔ ہمارے آقا جناب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم تمام امت کے لئے بلکہ تمام عالم کے لئے رحمت ہیں۔ آپ کے پاس حاضری دے کر عرض کرو یا رسول اللہ ہم حاضر ہوئے ہیں۔ ہمارے لئے حج کی قبولیت کی دعا کیجئے۔ شفاعت فرمائیے۔ پھر جناب باری سبحانہ کے گھر کی طرف لوٹا جائے تاکہ آپ کے وسیلہ سے اللہ پاک حج کی اس عاشقانہ عبادت کو قبول فرمائے۔

میرے بھائیو! حج کے ایام میں سب سے زیادہ مقدس وقت وقوف عرفہ کا دن اور مزدلفہ کی رات ہے۔ ایسا وقت نہیں ملے گا۔ میں نے دیکھا کہ بہت سے لوگ بیوقوفی کی وجہ سے اس مقدس وقت کو بات چیت، کھانے پینے میں صرف کر دیتے ہیں۔ —— دیکھو بے وقوفی مت کرو اس وقت کو بے کار مشغلوں میں ضائع مت کرو۔ اللہ اللہ کرو تسبیح پڑھو۔ تلاوت کرو۔ درود پڑھو۔ دعا کرو۔ جبل رحمت کے پاس جانا ضروری نہیں۔ میدان عرفہ میں جہاں توبہ واستغفار کرو۔ بہت سے لوگوں کو دیکھتا ہوں کہ رسول اللہ صلعم کی صورت اور سیرت سے بیزار ہیں۔

ڈاڑھی منڈواتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے۔ بخاری شریف کی حدیث ہے۔ کہ ڈاڑھی بڑھاؤ اور مونچھیں کٹاؤ۔ عبداللہ بن عمرؓ ایک مٹھی پکڑ کر کٹاتے تھے۔ ایک مٹھی سے کم کو کتروانا صورت وسیرت محمدیہ سے نفرت کرنا ہے۔ دیکھو سکھ ایک بال پہ قینچی نہیں لگاتے شرم سے مرجانا چاہیئے کہ مسلمان کو ایسا بڑا رسول ملا کہ کسی قوم کو نہیں ملا اور پھر بھی خود مسلمان ایسے پیارے رسولؐ کی سیرت وصورت سے بیزاری کا اظہار کرے۔

میرے بھائیو! اس سے بچو۔ آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت وسیرت کے عاشق بنو ـــــ

قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ ویغفر لکم ذنوبکم واللہ غفور رحیم۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو محبوب ہیں اللہ کے اگر ان کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارا چاہنے والا بن جائے گا۔ تم محبوب خدا بن جاؤ گے۔ یحببکم اللہ اللہ تمہارا چاہنے والا بن جائے گا۔ تمہارا بیٹا تم کو بہت محبوب ہے۔ اگر کوئی لڑکا تمہارے بیٹے کی صورت میں تمہارے سامنے آجائے تو بے اختیار تم کو اس سے محبت ہو جاتی ہے۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ محبوب ہیں۔ ان کی صورت بناؤ سیرت اختیار کرو۔ صورت اور سیرت کی تابعداری کرو تو اللہ تعالیٰ کے تم بھی محبوب بن جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ کے سامنے گریہ وزاری کرو۔ توبہ کرو۔ اس سے مایوس نہ ہو جب تک موت نظر نہ آئے۔ توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء میں حتی الامکان کوشش کرو۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو دیکھتا ہے اور سنتا ہے۔ جیسا کہ اس سے مایوس نہ ہونا چاہیئے۔ اسی طرح بیباک بھی مت بنو۔ اس سے ہر وقت ڈرتے رہو۔ چلتے پھرتے کھاتے پیتے سوتے جاگتے ہر وقت اس کا ذکر کرتے رہو۔ اگر ذکر کی عادت ڈالوگے تو سوتے وقت بھی ذکر جاری رہے گا۔ اور مرنے کے وقت آخری سانس تک ذکر جاری رہے گا۔ اور مرنے کے بعد جب اٹھو گے اور قیامت قائم ہوگی تو آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم شفاعت فرمائیں گے ـــــ دعا کرو کہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر ہو اور آقائے نامدار محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شفاعت نصیب ہو۔ آمین ــ ــ

حج و زیارت

دربارِ نبوّت کی باریابی

مدینۃ الرسول میں حاضری کے واردات و تاثرات

★ ـ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ

★ ـ حضرت مولانا محمد ادریس ندویؒ

★ ـ ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب عثمانیہ یونیورسٹی۔

★ ـ حضرت مولانا ابو الحسن علی ندوی

★ ـ الحاج رفیع الدین مراد آبادیؒ تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ الدہلویؒ

(ترتیب ـ ادارۂ الحق)
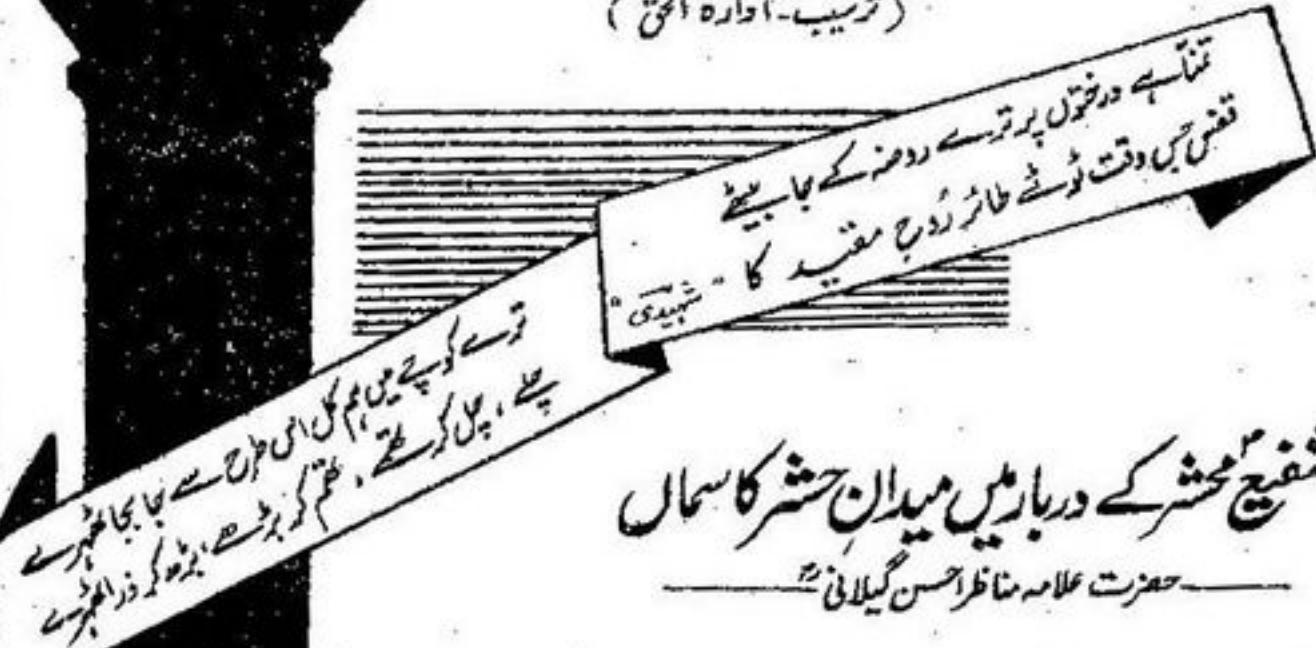
شفیعِ محشر کے دربار میں میدانِ حشر کا سماں

ــــ حضرت علامہ مناظر احسن گیلانیؒ ــــ

قافلہ بیر درویش کے بعد قریب قریب اپنے اوسان کھو چکا تھا۔ فاصلہ ختم ہو رہا تھا۔ زندگی کی آرزو سب سے بڑی آرزو ایمان والوں کی پوری ہو رہی تھی۔ یا قریب تھا کہ پوری ہو۔ اپنے آپ کو معلوم ہوتا تھا کہ ہر اک کھوتا چلا جا

رہا ہے۔ اچانک اسی حال میں مدینۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سواق (ڈرائیور) کی زبان سے نکلی کلیجے نکل پڑے۔ جانیں قالب کو معلوم ہو رہا تھا کہ چھوڑ دیں گی۔ بیس سال پہلے کان میں یہ آواز آئی تھی لیکن اس کی گونج آج بھی تر و تازہ ہے۔

ہم میں ہر ایک دوسرے کو شاید بھول گیا۔ مدینۃ النبی (نبی کا شہر) اس کے سوا نہ اندر ہی میں کچھ باقی تھا اور نہ باہر میں لاری تیزی کے ساتھ گذرتی جا رہی تھی یہ باہر میں ہو رہا تھا، اور اندر میں جذبات کا طوفان تھا جو ابل رہا تھا۔ اوروں کا حال معلوم نہیں۔ لیکن اپنے اس احساس کو کیسے چھپاؤں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ بلالؓ آرہے ہیں، یہ ابو ذرؓ جارہے ہیں، یہ فاروق اعظمؓ ہیں اُدھر حضرت صدیقؓ ہیں —— میں جانتا ہوں کہ یہ دماغی اختلال ہی کا نتیجہ ہوگا۔ مگر مبارک تھا وہ دماغی اختلال جس میں مبتلا ہونے والے کے کان میں گذرتی ہوئی لاری میں آواز آئی۔ السلام علیکم مولوی صاحب۔ حضرت بلال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مہمانوں کے میزبان ایسا معلوم ہوا کہ کہتے ہوئے گذر گئے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنون کی ایسی باتوں کا کہاں تک تذکرہ کیا جائے۔

واقعہ یہ ہے کہ باب العنبریہ کب آیا۔ لاری سے لوگ کس وقت اترے کیسے اترے گھوڑے کی گاڑی عرابہ میں کب سوار ہوئے۔ ہوئے تو یہ سارے واقعات۔ ہم چل بھی رہے تھے پھر بھی رہے تھے۔ لیکن جسم چلتا تھا ٹانگیں پھر رہی تھیں مگر ان کا چلانے والا حاسہ غائب تھا۔ شاید سیدنا حضرت مولانا حسین احمد المدنی مدظلہ العالی کے برادر محترم حضرت مولانا سید احمدؒ مہاجر مدینہ "باب عنبریہ" جو مدینہ منورہ کا مرحوم حجاز ریلوے کا اسٹیشن تھا وہاں تک تشریف لائے تھے۔ ان کو اطلاع دے دی گئی تھی اور ایک قدیم مدنی دوست لطفی صاحب مرحوم بھی اپنے خوبصورت شامی چہرے کے ساتھ دیوانوں کو لینے کے لئے اس مقام تک آئے تھے۔

"دیے برندش" کی شکل میں النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے "مدینہ" میں پہنچا دیئے گئے۔ لکھا پڑھا سب غائب ہو چکا تھا۔ جس نے جو کچھ کہا وہی کرتے جاتے تھے۔ غسل کا حکم دیا گیا، کپڑے بدلوائے گئے۔ اور اب ایک سیہ کار سیاہ بخت سیاہ کل مطلق تاریکی صرف سیاہی کو گھسیٹتے ہوئے اس دربار کی طرف لوگ لئے جا رہے تھے۔ جس دربار تک رسائی کا خیال بھی اس سراسر اثم و گندگی کے لئے ناقابل برداشت تھا آج وہی گھسیٹا جا رہا تھا، اور لایا جا رہا تھا۔ بیعت کے بعد عہد کا توڑنے والا مجرم اپنے آقا کے آستانے کی طرف دھکیلا جا رہا تھا۔ بس اتنا ہوش تھا کہ ہوش باقی نہیں رہا ہے۔ معلم یا مزور کے نام سے کوئی صاحب تھے ہاتھ پکڑے ہوئے تھے وہ کچھ کہتے جاتے تھے۔ آنسوؤں کی موسلا دھار

بارش سے بند آنکھوں نے اس کا موقعہ باقی نہ رکھا تھا کہ کہاں ہوں، آگے کیا ہے کی خبر ہو کان میں معلم کے فقرے اور وہ بھی نہیں معلوم پورے آتے بھی تھے یا نہیں مگر زبان ان ہی فقروں کو دہرا رہی تھی۔ معلم کہتے تھے کہ سلام پڑھو، کن کو سلام کروں، آنکھوں میں اسکی قوت بھی باقی رہی ہے جو کسی طرف اٹھے پیخ بھی پکار تھا، گریہ تھا پکار تھا، بے ہوشی تھی بدحواسی تھی کیا تھا۔ عہد کرنے والے نے مگر کیا کیا ـــ

چہ گونہ سر ز خجالت برآورم بر دوست ــــ کہ خدمتت بسزا بر نیامد از دستم

حجاب شرم ندامت اے اللہ کے رسول، اے عالمین کی رحمت ڈھانک ہے اسکی سیاہیوں کو جس میں سیاہی اور تاریکی کے سوا کچھ نہیں ہے ـــ

ہوں سیہ کار مرے عیب کھلے جاتے ہیں ــــ کملی والے مجھے کملی میں چھپالے آجا

نماز کا وقت بھی شاید قریب تھا۔ سب جہاں کھڑے ہوئے وہیں ہوش باختہ میں بھی کھڑا تھا۔ یہ کیا ہوا میں کہاں لایا گیا کلیجہ پھٹ جائے گا۔ روح نکل جائے گی۔ ہم کس حال میں آئے کیا ساتھ لائے صرف پاپ صرف گندگی، صرف آلودگی ــــــــ سب باہر ہوئے، ان کے ساتھ باہر ہوئے، آتے تھے جاتے تھے۔ لیکن چوبیس گھنٹوں تک کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں آرہے ہیں، کہاں جارہے ہیں۔ نمازیں بھی ہوتی تھیں، کھانا بھی کھایا جاتا تھا۔ شاید ملنے والوں سے کچھ باتیں بھی ہوتی تھیں۔ لیکن چوبیس گھنٹوں تک کرنے والے کو خود اپنے ان کاموں کا صحیح احساس نہ تھا۔ سب کرتے تھے وہ بھی کرتا تھا۔ مگر جیسے جیسے وقت گذرتا گیا سکینت کا نزول قلب پر شروع ہوا۔ خود تو کیا پیدا ہوتی مگر ہمت پیدا کرائی گئی۔ اور اب آنکھ کھلی ہم کھجور کے تنوں پر کھڑی ہوئی اس مسجد کو ڈھونڈ رہے تھے۔ جس کی چھونی کھجور کے پتوں اور شاخوں سے کی گئی تھی جہاں کے رسول غریبوں کے ملجا یتیموں کے ماویٰ کا دولت خانہ وہ کہاں ہے جس کے چھپر سے کھڑے ہونے والا سر چھوا جاتا تھا۔ جسکی دیوار کھجور کی چھڑیوں پر مٹی لیپٹ کر بنائی گئی تھی۔ ابوایوب انصاری کا وہ مکان کہاں ہے۔ جو ہجرت کے بعد پہلی فرودگاہ اس آبادی میں تھی ڈھونڈتا تھا اسکی گلیوں میں حسنؓ کو حسینؓ کو عباسؓ کو سید الشہداء حمزہؓ کو امہات المؤمنین صدیقہ عائشہ حضرت میمونہ صفیہ ایسی ماؤں کے محل سراؤں کو! ام حرام بنت ملحان کو ابوہریرہ ابن عمر اور ابن مسعود کو ابوسعید خدری کو انس بن مالک کو اور کیا کیا بتاؤں کن کن کو رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور ان کے گھروں کو مگر نہ وہ مسجد ہی تھی اور نہ وہ مکانات نہ ان کے رہنے والے۔ معلوم ہوا کہ انصاری صحابیوں کا کوئی خاندان اب مدینہ میں نہیں پایا جاتا نہ انصاریوں ہی کا کوئی خاندان تھا اور نہ مہاجرین کا ــــــــ جس وقت

مواجہ مبارک[1] میں ہندی، جاوی، بخاری، شامی، مغربی، ایشیائی، افریقی، گورے، کالے، لال پیلے اونچے اونچے قد والے، چھوٹی چھوٹی قامت رکھنے والے طرح طرح کے لوگ رجوع ہوتے، سلام عرض کرتے خدا جانے دوسرے کن نگاہوں سے اس منظر کو دیکھتے تھے یا اب بھی دیکھتے ہیں۔ لیکن اچانک اپنے خیال کے سامنے حشر کا میدان آجاتا وہی میدان جہاں بکھرے ہوئے پتنگوں کی طرح آدم کی اولاد ماری ماری پھرے گی اور العالمین کے رسول پر ایمان لانے والی امت اپنے رسول کو ڈھونڈے گی ڈھونڈے گی اور پائے گی۔ آج ایک ہلکا سا نقشہ اسی میدان کا سامنے تھا دیر تک اس نظارے میں غرق رہتا۔ بجلی کی طرح دل پر واردات گذرتے رہتے۔ سچی بات تو یہی ہے۔ کہ ہر طرف یہاں بجلی ہی بجلی برق ہی برق، نور ہی نور تھا صرف روشنی تھی تاریکی کا نام نہیں تھا۔ صرف سکون تھا بے چینی کا پتہ بھی نہ تھا صرف محبت تھی محبت ہی محبت کا چشمہ فوارے کی طرح اچھل رہا تھا۔ ابل رہا تھا۔ صلی اللہ علیہ وعلی الہ وصحبہ اجمعین ———

گنبد خضرا، بقیع اور البلد الامین

——— مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ———

نظر اٹھا کر دیکھئے یہ دونوں طرف پہاڑوں کی قطاریں ہیں۔ کیا عجب ہے کہ ناقۂ نبوی اسی راستہ سے گذری ہو یہ فضا کی دلکشی یہ ہوا کی دل آویزی اسی وجہ سے ہے۔

الا ان وادی الجزع اضحی ترابہ ۔۔۔ من المسک کافورا و اعوادہ رندا

وما ذاک الا ان ہندا عشیۃ ۔۔۔ تمشت وجرت فی جوانبہ بردا

لیجئے مسجد آگئی۔ اب بیر علی (ذوالحلیفہ) کی باری ہے۔

منزل دوست چوں شود نزدیک ۔۔۔ آتش شوق تیز تر گردد

درود شریف زبان پر جاری ہے۔ دل وفور شوق سے امنڈ رہا ہے۔ عرب ڈرائیور حیران ہے کہ یہ عجمی کیا پڑھتا ہے۔ اور کیوں روتا ہے۔ کبھی عربی میں گنگناتا ہے۔ کبھی دوسری زبانوں میں شعر پڑھتا ہے۔ بھینی بھینی ہوا ہے اور ہلکی ہلکی چاندنی جسقدر طیبہ قریب ہوتا جارہا ہے۔ ہوا کی خنکی، پانی کی شیرینی اور ٹھنڈک لیکن دل کی گرمی بڑھتی جارہی ہے۔ سنئے کوئی کہہ رہا ہے ؎

باد صبا جو آج بہت مشکبار ہے ۔۔۔ شاید ہوا کے رخ پہ کھلی زلف یار ہے

وہ ایک بار ادھر سے گئے مگر اب تک ۔۔۔ ہوائے رحمت پروردگار آتی ہے

---

[1] روضۂ مطہرہ کی جالیوں کا وہ حصہ جہاں گنہ گار امت اپنے فخر عالمین، غمگسار پیغمبر کے چہرہ مبارک کے سامنے کھڑے ہو کر ہدیۂ صلوٰۃ وسلام پیش کرتی ہے۔

عجب کیا گر مہ و پرویں میرے نخچیر ہو جائیں — کہ بر فتراکِ صاحب دولتے بستم سرِ خود را
وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے — غبارِ راہ کو بخشا فروغِ وادیٔ سینا
خاکِ یثرب از دو عالم خوشتر ست — اے خنک شہرے کہ آنجا دلبر ست
داغِ غلامیت کرد رتبۂ خسرو بلند — میر ولایت شود بندہ کہ سلطاں خرید
محمد عربی کابروئے ہر دو سرا ست — کسے کہ خاکِ درش نیست خاک بر سرِ او

لیجئے ذوالحلیفہ آ گیا ساعت کا بقیہ حصہ یہاں گذارنا ہے۔ غسل کیا خوشبو لگائی کچھ دیر دم لے لیجئے اور کمر سیدھی کر لیجئے۔ صبح ہوئی، نماز پڑھی، موٹر روانہ ہوئی کیا جہاں سر کے بل آنا چاہیئے تھا۔ وہاں موٹر پہ سوار ہو کر جائیں گے۔ ڈرائیور کے ساتھ بیٹھنا کام آیا — "وادیٔ عقیق" میں "بیرِ عروہ" کے پاس اتار دے گا۔ سامان، مستورات اور ضعفا سوار رہیں گے۔ بات کرتے کرتے بیرِ عروہ آ گیا۔ بسم اللہ اتریئے وہ دیکھئے جبل احد نظر آرہا ہے۔ ذلک جبل یحبنا و نحبہ[1] وہ سوادِ مدینہ کے درخت نظر آئے۔ کیا یہ وہی درخت ہیں جن کے متعلق شہیدی مرحوم نے کہا تھا۔

تمنا ہے درختوں پر ترے روضہ کے جا بیٹھے — قفس جس وقت ٹوٹے طائرِ روحِ مقید کا

وہ گنبد خضرا نظر آیا، دل کو سنبھالئے اور قدم اٹھائیے، یہ لیجئے مدینہ میں داخل ہوئے مسجد نبوی کی دیوار کے نیچے نیچے بابِ مجیدی سے گذرتے ہوئے باب جبریل پہ جا کر رکے حاضری کے شکرانہ میں کچھ صدقہ کیا اور اندر داخل ہوئے، پہلے محرابِ نبوی میں جا کر دوگانہ ادا کیا۔ گنہگار آنکھوں کو جگر کے پانی سے غسل دیا وضو کرایا پھر بارگاہ نبوی پر حاضر ہوئے۔

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ — آپ پر صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے رسولؐ
الصلوٰۃ والسلام علیک یا حبیب اللہ الخ — آپ پر صلوٰۃ وسلام اے اللہ کے حبیبؐ

اس کے بعد دونوں رفیقوں اور وزیروں کو محبت کا خراج اور عقیدت کا نذرانہ سلام و دعا کی شکل میں ادا کیا اور قیام گاہ پر آئے۔ اب آپ ہیں اور مسجد نبوی دل کا کوئی ارمان باقی نہ رہ جائے۔ درود شریف پڑھنے کا اس سے بہتر زمانہ اور اس سے بہتر مقام کونسا ہو سکتا ہے۔ اب بھی شہود حضور

---

[1] حضورؐ کا ارشاد کہ یہ وہ پہاڑ ہے جس کو ہمارے ساتھ محبت ہے۔ اور ہمیں اس کے ساتھ۔

نہ ہو تو کب ہوگا۔ جنت کی کیاری "روضۃ من ریاض الجنۃ" میں نماز پڑھئے مگر دیکھئے کسی کو تکلیف نہ دیجئے مزاحمت جگہ کو اپنے لئے محفوظ کرنا مسجد میں دوڑنا سب جگہ برا ہے۔ مگر جہاں سے یہ احکام نکلے اور دنیا میں پھیلے وہاں ان کی خلاف ورزی تو بہت ہی مکروہ ہے۔ یہاں آواز بلند نہ ہو ان تحبط اعمالکم وانتم لاتشعرون [۱]

یہاں دنیا کی باتیں نہ ہوں مسجد کو گذرگاہ نہ بنایا جائے بے وضو داخل ہونے سے حتی الامکان احتراز کیا جائے۔ خرید و فروخت سے اجتناب کیا جائے۔ دل میں جتنے مرتبہ جی چاہے، حاضری دیجئے اور سلام عرض کیجئے آپ کے نصیب کھل گئے اب کیوں کمی کیجئے۔ مگر ہر بار عظمت و ادب اور اشتیاق و محبت کے ساتھ دل کی ایک حالت نہیں رہتی وہ بھی سوتا جاگتا ہے۔ جاگے تو سمجھئے کہ نصیب جاگے۔ حاضری دیجئے اور عرض کیجئے ـــــ ع

ز چشمم آستیں بردار و گوہر را تماشا کن

کبھی اس کا جی چاہے گا کہ غلاموں کے وفود کے ساتھ ملا جلا حاضر ہو عشاق کی آنکھوں سے جنہوں نے مہجوری کے دن کاٹے اور فراق کی راتیں بسر کیں جب آنسوؤں کا مینہ برسے گا، تو شاید کوئی چھینٹا اس کو بھی تر کر جائے رحمت کی ہوا جب چلے گی تو شاید کوئی جھونکا اس کو بھی لگ جائے۔ کبھی دبے پاؤں لوگوں کی نظر بچا کر تنہائی میں حاضر ہونے کا جی چاہے گا۔ اس باب میں دل کی فرمائشیں سب پوری کیجئے۔ کوئی حسرت باقی نہ رہے۔ کبھی صرف آنسوؤں سے زبان کا کام لیجئے۔ کبھی ذوق و شوق کی زبان میں عرض کیجئے۔ درود شریف طویل بھی ہیں اور مختصر بھی جسمیں جی لگے اور ذوق پیدا ہو اسکو اختیار کیجئے۔ مگر اتنا خیال رکھئے کہ توحید کی حدود سے قدم باہر نہ جائے۔ آپ اس کے سامنے کھڑے ہیں جسکو ماشاء اللہ وشئت اور من یعصہما سننا گوارا نہ ہو سکا۔ سجدہ کا کیا ذکر خدا کی صفات میں اسکی قدرت و تصرف میں اسکی مشیت و اختیار میں شرک کا شائبہ بھی آنے نہ پائے۔ چاہے جامی کا کلام پڑھئے چاہے حالی کی دعا سنائیے۔ بس اتنا خیال رکھئے کہ آپ توحید کے سب سے بڑے اور آخری پیغمبر کے سامنے کھڑے ہیں جسکو شرک کا واہمہ بھی گوارا نہ تھا ـــــ

پھر ایک لمحہ ٹھہر کر پورے بقیع پر عبرت و تفکر کی ایک نظر ڈال لے، اللہ اکبر، کتنے سچے تھے یہ اللہ کے بندے جو کچھ کہتے تھے کر دکھایا۔ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ کہ میں جس کے

---

[۱] ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حضور کی بارگاہ میں اونچی آواز سے نہ بولو کہیں نا سمجھی میں تمہارے اعمال غارت نہ ہو جائیں۔ اللہ اللہ مقام نبوت وشان رسالت کی عظمت و نزاکت۔

ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا، مدینہ ہی میں اسی کے قدموں میں پڑے ہیں ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم ۔۔۔ سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

گنبد خضرا پہ ایک نظر ڈالئے۔ پھر مدینہ کے اس شہر خموشاں کو دیکھئے، صدق و اخلاص استقامت و وفا کی اس سے زیادہ روشن مثال کیا ملے گی۔ آئیے بقیع میں اسلام کی خدمت کا عہد کریں اور اللہ سے دعا کریں کہ وہ ہمیں اسلام ہی کے راستہ پہ زندہ رکھے اور اسی کے ساتھ وفاداری میں موت آئے۔ جنت البقیع کا یہی پیغام اور یہاں کا یہی سبق ہے ۔۔۔۔

لیجئے اب ہم اللہ کے شہر بلد اللہ الحرام، البلد الامین میں داخل ہو گئے جس کا نام تسبیح کی طرح بچپن سے ہر مسلمان کی زبان پر جاری رہتا ہے۔ جس کا اشتیاق جنت کی طرح ہر مومن کے دل میں رہتا ہے۔ جو ہر مسلمان کا ایمانی اور دینی وطن ہے۔ جسکی کشش ہر زمانے میں ہزاروں میل کی مسافت، پہاڑوں کی چوٹیوں اور وادیوں کی گہرائیوں سے مشتاقانِ زیارت کو کھینچتی رہی ۔۔۔۔

لیجئے مسجد حرام پہنچ گئے۔ باب السلام سے داخل ہو گئے یہ سیاہ غلاف میں ملبوس مسجد حرام کے بیچوں بیچ بیت اللہ نظر آرہا ہے ۔۔۔

اللھم زد ھذا البیت تشریفاً و تعظیماً و تکریماً و مھابۃً و زد من شرفہ و کرمہ ممن حجہ او اعتمرہ تشریفاً و تکریماً و تعظیماً و برا اللھم انت السلام و منک السلام فحینا ربنا بالسلام۔	اے اللہ اس گھر کی عزت و عظمت، شرافت و ہیبت میں ترقی فرما اور حج و عمرہ کرنے والوں میں بھی جو اسکی تعظیم و تکریم کرے اسکو بھی شرافت و عظمت اور نیکی عطا فرما۔ اے اللہ تیرا ہی نام سلام ہے اور سلامتی تیرے ہی طرف سے ہے ہم پر سلامتی بھیج۔

یہی بیت اللہ ہے جسکی طرف ہزاروں میل کے فاصلہ سے ساری عمر نمازیں پڑھتے رہے جسکی طرف نماز میں منہ کرنا فرض تھا۔ آج ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان چند گز سے زیادہ فاصلہ نہیں ہم اپنے گنہگار ہاتھوں سے اس کے غلاف کو چھو سکتے ہیں۔ اس کو آنکھوں سے لگا سکتے ہیں۔ اسکی دیواروں سے چمٹ سکتے ہیں ۔۔۔۔ عمر میں بڑی بڑی حسین و جمیل عمارتیں اور فن تعمیر کے بڑے بڑے نمونے دیکھے۔ لیکن اس سادہ سے چوکور گھر میں خدا جانے کیا حسن و جمال اور کیا دلکشی و محبوبیت ہے۔ کہ آنکھوں میں کھپا جاتا ہے۔ اور دل میں سمایا جاتا ہے۔ کسی طرح نظر ہی نہیں بھرتی۔ تجلیات الٰہی اور انوار کا ادراک تو اہل نظر کر سکتے ہیں۔ لیکن جلال و جمال کا ایک پیکر ہم جیسے بے بصیرت

اور کم نظروں کو بھی نظر آتا ہے۔ اور یہ صاف محسوس ہوتا ہے کہ اس کے دیکھنے سے آنکھوں کو سیری اور دل کو آسودگی نہیں ہوتی۔ جی چاہتا ہے کہ دیکھتے ہی رہیں ——— اسکی مرکزیت و موزونیت اسکی زیبائی و رعنائی جلال و جمال کی آمیزش الفاظ سے بالاتر ہے ———

محاسنہ هیولے کل حسن ومغناطیس افئدۃ الرجال

اس کا دیکھتے رہنا دل کا سرور آنکھوں کا نور روح کی غذا اور نظر کی عبادت ہے۔ دل کی کلفت اس سے کافور دماغ کی تکان اس سے دور ہوتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عجیب نعمت عطا فرمائی ہے۔ سارے عالم کی دلکشی اور دلآویزی اس میں سمٹ کر آگئی ہے ———

نگاہِ تصوّر میں تصویرِ جاناں

——— مولانا محمد اویس ندوی مرحوم ———

اس کے بعد تو قدم خود بخود اٹھتے ہی گئے جیسے کوئی مقناطیسی قوت اپنی طرف کھینچے لئے جارہی تھی۔ لیجیئے وہ گنبد خضرا نظر آیا اور وہ سامنے باب السلام۔ اللھم صل وسلم علی سیدنا ومولانا محمد وعلی آل محمد بعدد کل شیئ معلوم لك۔

اردو تو خیر عربی اور فارسی کی تمام مستند کتابیں جو زیارت مدینہ کے آداب کے متعلق مل سکیں۔ ان سب کو آج ہی کے دن کے لئے پڑھ ڈالا تھا۔ مگر نہیں معلوم تھا کہ ہوش و حواس اس خاص موقع پر ساتھ چھوڑ دیں گے۔ اور دل و دماغ آج صاف جواب دے دیں گے۔

اب تو قدم بھی نہیں اٹھ رہے ہیں۔ ہم دونوں ایک دوسرے کو سہارا دے کر ٹھہر گئے۔ تھوڑی دیر بعد پھر آگے بڑھے۔ اور جب پاؤں ڈرتے کانپتے باب السلام سے مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں داخل ہوئے۔ جماعت ہوچکی تھی۔ نماز ادا کی اور خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے اس نعمت عظمیٰ سے سرفراز فرمایا اب بارگاہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضری کی باری تھی حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب مدظلہ (قدس سرہ العزیز) نے مناسک حج نیز اس موقعہ کے لئے کچھ مخصوص ہدایتیں فرمادی تھیں۔ الحمدللہ حضرت شیخ کی برکت و توجہ سے یہ منزل بھی طے ہوگئی۔

ہم بارہ دن مدینہ طیبہ (صلی اللہ علیٰ صاحبہا) میں ٹھہرے۔ یقین کیجئے کہ مدینہ کے گلی کوچے، مدینے کے بازار، مدینہ کے در و دیوار اور مدینہ کی فضا میں کچھ ایسی کیفیت محسوس ہوئی کہ سو جان سے نثار ہونے کا جی چاہا یہاں کی خاک پاک کے ہر ذرہ سے ہم کو محبت کی بو آئی۔ عہد نبوت (صلعم) سے

لے کہ اس وقت تک کی یہاں کی اسلامی تاریخ کے سب اہم مواقع ہم کو یاد آئے۔

نگاہِ تصور نے مسجد نبوی میں بالخصوص روضۃ الجنۃ میں صحابہ کرام کا مجمع دیکھا۔ محراب النبی اور محراب التہجد کے پاس حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سر بہ سجود پایا۔ اسطوانہ وفود[1] کے پاس باہر کے آئے ہوئے وفود کو بارگاہِ نبوت میں باریاب ہوتے ہوئے دیکھا۔ اسطوانہ حرس کے پاس جان نثارانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو پہرہ دیتے ہوئے دیکھا۔ اسطوانہ ابی لبابہؓ میں سیدنا ابولبابہ کو بند دیکھا اور پھر دیکھا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو اپنے دستِ مبارک سے کھول رہے ہیں۔ اسطوانہ سیدتنا عائشہؓ کے اردگرد خواص امت کے ہجوم کو دیکھا کہ نماز و دعا میں مشغول ہیں۔ گوشِ تخیل کو منبر شریف سے صحابہؓ کے درمیان حضورؐ کے مواعظ اور صفۂ نبوی سے اصحاب صفہ کو تلقین و تعلیم کی آوازیں سنائی دیں ـــــــ

اور اس مبارک زمین کے اس مقدس حصہ کا حال آپ سے کیا بیان کیا جائے کہ جہاں سید المرسلین حبیب رب العالمین حضرت رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے دونوں رفیقوں اور وزیروں کے آج بھی جلوہ افروز ہیں۔ اللہ ہر مسلمان کو یہاں کی سرفرازی سے نوازے وہ گھڑی بھولنے والی نہیں جبکہ ایک سیہ کار و گنہگار نے مواجہہ شریف میں عرض کیا تھا کہ یا رسول اللہ کفار بھی اگر سائل بن کر اس دربار میں آئیں تو محروم واپس نہیں گئے۔ ہم اپنے اعمال کے لحاظ سے جیسے بھی ہیں۔ مگر الحمد للہ کہ عقیدتاً آپ کے دین کے ماننے والے اور آپ کے طریق کے چاہنے والے ہیں۔ اس لئے یا رسول اللہ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے ہم محروم و ناکام واپس ہوں۔ قسم ہے رؤف و رحیم خدا کی کہ اس نے بالمومنین رؤف رحیم جس ذات کا وصف اپنی کتاب مبین میں بیان فرمایا ہے۔ اسکی رافت و رحمت نے ہر طرح کی دستگیری فرمائی۔ (صلی اللہ علیہ وسلم)

نوائے فقیر ـــ غلبۂ شوق

ـــــ الحاج رفیع الدین مراد آبادیؒ (۱۲۰۳ھ) تلمیذ حضرت شاہ ولی اللہ مرحوم ـــــ

صبح دوشنبہ ۶ ربیع الاول کو قافلہ مدینہ منورہ پہنچا اور بیرون شہر مناخہ میں متصل عیدگاہ نبوی اترا۔ اور یہ کمینہ بعد ادائے فجر وہاں سے ملاذ عالمیان ملجا جہان، شفیع امم، سرمد نبی آدم، سید انام صلی اللہ علیہ وسلم کی درگاہِ عالم پناہ کی جانب متوجہ ہوا ـــــ باب السلام سے داخل ہوا ـــــ مصلائے مصطفوی

---

[1] مسجد نبوی کے بعض ستونوں کے نام ـــــ ادارہ

پر تحیۃ المسجد پڑھ کر مواجہہ شریف میں آیا۔ سلام و آداب زیارت کو حسب قاعدہ ادا کیا اور غلبۂ شوق میں یہ اشعار سلسلۃ الذہب (جامی) وغیرہ کے پڑھے ،

سوئیم افگن ز مرحمت نظرے — باز کن بر رُخم ز لُطف درے
زاریٔ من بشنو تکلم کن — گریۂ من بشنو تبسم کن
لب بجنباں پئے شفاعت من — منگر در گناہ و طاعت من
کہ نرفتم طریق سنت تو — ہستم از عاصیان امت تو
ماندہ ام زیر بار عصیاں پست — افتم از پا گرم نگیری دست
رحم کن بر من و فقیریٔ من — دست دہ بہر دستگیریٔ من
خود بدست تو کے رسد دستم — اینقدر بس کہ در رہت پستم
پست بودن برائے تو خوشتر — کز بلندی بسرش سودن سر

یا شفیع المذنبیں بار گناہ آوردہ ام — بر درت ایں بار پشت دوتاہ آوردہ ام
چشم رحمت بر کشا موئے سفید من ببیں — گرچہ از شرمندگی روئے سیاہ آوردہ ام
آں نمی گویم کہ بودم سالہا در راہ تو — ہستم آں گمراہ کہ اکنوں رو براہ آوردہ ام
عجز و بیہوشی و درویشی و دلریشی و درد — ایں ہمہ بر دعوئے عشقت گواہ آوردہ ام
دیو، رہزن، درکمین، نفس دہوا اعدائے دین — زیں ہمہ در سایۂ لُطف پناہ آوردہ ام
گرچہ روئے معذرت نگذشت گستاخی مرا — کردہ گستاخی زبان عذر خواہ آوردہ ام

دولتم ایں بس کہ بعد از مدت و دور و دراز — بر حریم آستانت می نہم روئے نیاز
یا رسول اللہ نمی گویم کہ مہمان تو ام — ما فقیرے طعمہ خوار ریزہ خوان تو ام

پس از ادائے آداب زیارت شیخین کبیرین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) اور سیدۃ النساء (حضرت فاطمہ زہراء رضی اللہ عنہا) کے مواجہہ میں آیا اور سلام عرض کیا۔ پھر مواجہہ شریف میں آیا۔ خدائے عظیم کی قسم کہ میرا ہر بن مو زبان بن جائے اور ہر زبان ہزار شکر اللہ تعالیٰ کے ادا کرے پھر بھی اس نعمت عظمیٰ کا شکر ادا نہیں ہو سکتا کہ مجھ جیسے کمینے گناہگار تباہ کار کو محض اپنے فضل و انعام سے اس موقف عظیم میں حاضر ہونے کا موقع دیا ؎

شکر للہ کہ نمردیم و رسیدم بدوست — آفریں باد بریں ہمت مردانۂ ما

؎ آفتاب اندر بدخشاں لعل سازد سنگ را ۔ غیر خاموشی چہ گوید لعل شکر آفتاب

خدا کی قسم یہ وہ جگہ ہے جس کو پروردگار عالم نے اپنے حبیب مکرم کے لئے انتخاب کیا اور تمام فتوحات و برکات اور انوار جنہوں نے مشرق و مغرب کا احاطہ کر لیا۔ اسی جگہ سے ظاہر و ناشی ہوئے ہیں۔ یہ وہ میدان ہے۔ جو مہبط وحی ہے اور مورد ملائکہ و مسکن سید انس و جان رہا ہے۔ یہ وہ سرزمین ہے جو اقدام خیر الانام سے نوازی گئی ہے۔

جنت البقیع کی زیارت سے جہاں اہل بیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اکابر امت رحمہم اللہ مدفون ہیں۔ اور جبل اُحد اور وہاں کے شہداء کی زیارت سے نیز مسجد قبا اور ان دیگر مساجد متبرکہ و آثار مقدسہ کی زیارت سے جو شہر مدینہ اور نواحی مدینہ میں مشہور ہیں۔ مشرف ہوا ——— چند بار داخلی اندرون گنبد حجرۂ منورہ بھی میسّر آئی ———

یکم رجب کو جبکہ دوران گنبد اپنے سر اور چہرہ کو دیوار سے مل رہا تھا۔ اور ڈاڑھی کو اس زمین رشک علیین کے لئے جھاڑو بنائے ہوئے تھا۔ اس وقت اس احقر کے موقف سے قبر مکرم و معطر ایک ذراع کم و بیش ہو گی ———

اس وقت احقر نے ارحم الراحمین سے بوسیلۂ رحمۃ للعالمین یہ دعا مانگی کہ اے اللہ اس کمینے کو جب اس درگاہ میں داخلے کا موقع دے دیا ہے۔ تو اب اس کے بعد کسی مخلوق کے دروازے پر حاجت طلب کرنے کے لئے نہ لے جانا ——— اور یا آخرت میں نیز اپنی پناہ میں رکھنا۔ یہ دعا بیت اللہ شریف کے اندر بھی الحاح و زاری سے مانگی تھی۔ فضل خدا اور شفاعت رسول کریم سے امید قبولیت ہے ——— وہاں سے آکر قبر سیدۃ النساء کے قریب اسی جگہ کھڑے ہو کر جو زیر ستون ہے، دو رکعت تحیۃ المسجد کی پڑھیں، اور باہر چلا گیا ———

اب جبکہ احقر انام شرف مجاورت بلد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائز ہے، اخبار و آثار اور مشاہد اور مزارات کی واقفیت کے شوق نے آمادہ کیا کہ وفاء الوفاء فی اخبار دار المصطفیٰ کا مطالعہ کیا جائے ——— یہ کتاب امام علامہ نور الدین علی بن عبد اللہ سمہودی مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف ہے۔ جو سنہ ۹۱۱ھ میں اس دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ یہی کتاب ہے جو شیخ عبد الحق دہلوی ؒ کی کتاب ——— جذب القلوب الی دیار المحبوب۔ (تاریخ مدینہ) کا ماخذ ہے۔ عمدۃ الاخبار مؤلفہ احمد بن عبد الحمید الہاشمی السندھی جو ۱۰۳۵ھ میں تالیف ہوئی ہے، کا بھی مطالعہ کیا ———

ان کے علاوہ دیگر کتابوں پر بھی عبور حاصل کیا گیا ——— فضائل زیارت، فضائل مدینہ منورہ

اور خصائص مدینہ منورہ کو ان کتابوں سے اخذ کیا۔ حاضری کے دوسرے دن ایک بزرگ کے پاس جو ہندوستان سے آکر مدت مدید سے یہاں اقامت پذیر ہیں، گیا۔ اور اللہ کے اس فضل وکرم کا جو اس نے مجھ پر فرمایا ہے ان سے ذکر کیا۔ انہوں نے یہ شعر پڑھا :

نازم بچشم خود کہ جمال تو دیدہ است ——— رقصم بپائے خود کہ بکویت رسیدہ است

اس شعر کو سن کر ایک خاص ذوق وشوق کی کیفیت پیدا ہوئی۔ مواجہہ شریف میں حاضر ہو کر مکرر یہ شعر پڑھا۔ اور گریہ وزاری نے زور باندھا۔ غلبۂ شوق میں اپنے پاؤں کو بوسہ دیا اور اپنی آنکھوں کو اس سے ملا۔

یافتم در گذرے خاک کف پائیش را ——— چوں نمائم رخ خود یافتہ ام جائیش را

کوچۂ جاناں کا ہر ذرہ چراغِ طور ہے

ڈاکٹر میر ولی الدین ——— پی۔ ایچ۔ ڈی

جب عاشق رسولؐ مدینہ منورہ کی پاک زمین پر قدم رکھتا ہے تو اسکی زبان سے بے اختیار نکلتا ہے

اندر دو جہاں کعبۂ ما کوئے محمدؐ ——— محراب دل وجاں خم ابروئے محمدؐ

وہ دیوانہ وار حق تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتا ہے

اللہ ایسے جذب محبت کو کیا کروں ——— رگ رگ کو جس نے درد بھرا دل بنا دیا

ہر قدم پر وہ یہ سوچتا ہے کہ اس مقام پر آقائے نامدارؐ کے قدم پڑے ہوں گے۔ قدم اٹھاتا ہے پھر ٹھہر جاتا ہے۔ بڑھتا ہے پھر تھم جاتا ہے

ترے کوچے میں ہم کل اسطرح سے جابجا ٹھہرے ——— چلے چل کر رکے تھم کر بڑھے بڑھ کر ذرا ٹھہرے

——— اس گلی کے ہر ذرہ کو وہ اپنا دل سمجھتا ہے ——— ع - ہم اس کوچے کے ہر ذرے کو اپنا دل سمجھتے ہیں
تجلیات جب اس کو آگے قدم بڑھانے نہیں دیتیں

پایم بہ پیش از سر ایں کو نمی رود ——— یاراں خبر دہید کہ ایں جلوہ گاہ کیست (نظیری)

اسی محبت کی تجلی میں وہ دیکھتا ہے کہ ——— ع ——— کوچۂ جاناں کا ہر ذرہ چراغِ طور ہے۔

اپنے محبوب کا وہ خیال کرتا ہے۔ حق تعالیٰ نے اپنی معرفت کس طرح آپ کو عطا فرمائی تھی۔ آپ کے

ذکر کو کس درجہ بلند فرمایا تھا۔ کہ اپنے ذکر کے ساتھ اسکو ملا دیا تھا۔ ورفعنا لک ذکرک کی نوید سے آپ کو سرفراز فرمایا تھا۔ آپ کی تعظیم کے ترک کرنے پر کیسی وعید فرمائی تھی گو آپ کی آواز پر اپنی آواز ہی کے بلند کرنے سے وہ ترک تعظیم کیوں نہ ہو حبط اعمال اسکی سزا تھی پھر نظامی کے الفاظ میں اس طرح ثنا خواں ہوتا ہے ؎

شمسہ نہ مسند ہفت اختراں — ختم رسل خاتم پیغمبراں
احمد مرسل کہ خرد خاک اوست — ہر دو جہاں لبستہ فتراک اوست
امی گویا بزبان فصیح — از الف آدم و میم مسیح
اے تن تو پاک تر از جان پاک — روح تو پروردۂ روحی فداک
اے مدنی برقع و مکی نقاب — سایہ نشین چند بود آفتاب
اے گوہر تاج فرستادگاں — تاج دہ گوہر آزادگاں

پھر وہ خیال کرتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ نے ان نیک بختوں پر کتنا بڑا احسان فرمایا جنہوں نے آپ کی صحبت پائی اور مشاہدۂ جمال استماع اقوال و ملاحظہ احوال سے سعادت حاصل کی اور اپنے حال پر آنسو بہاتا ہے۔ کہ یہ دولت سرمدی مجھے نصیب نہ ہوئی اور نہ آپ کے اصحاب کرامؓ کی صحبت ملی۔ دنیا میں تو آپ کو نہ دیکھا آخرت میں بھی شاید آپ کی زیارت نگاہ حسرت ہی سے ہو۔ اور اعمال بد کے باعث آپ ہمیں قبول نہ فرما دیں۔ کیونکہ آپ کا ارشاد مبارک ہے کہ قیامت کے روز کچھ لوگوں کو فرشتے دوزخ کی طرف لے جائیں گے۔ (جن میں اپنی امت کی بعض نشانیاں دیکھ کر) میں حق تعالیٰ سے عرض کروں گا۔ حق تعالیٰ یہ میرے لوگ ہیں۔ حکم ہو گا کہ نہیں تمہیں نہیں معلوم کہ تمہارے بعد انہوں نے کیا کام کئے ہیں۔ تب میں کہوں گا کہ مجھ سے دور ہو ! (رواہ الشیخان) یہ حال ان لوگوں کا ہو گا جنہوں نے شریعت مطہرہ کی توقیر نہیں کی سنت رسول کی قدر نہ سمجھی اور بدعت کو ترجیح دی۔ اب وہ اپنی حالت پر نظر ڈالتا ہے۔ اس وعید سے کانپ اٹھتا ہے۔ اپنے گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔ چیختا ہے ؎

ہر چند گناہ بے شمار است — صد مرتبہ بے شمار توبہ
در بار گہت کنم خدایا — با دیدۂ اشکبار توبہ !
گر رفت بہ ترہات عمرم — کردم نہ بیک دوبار توبہ
شد بر سر مو کنوں زبانے — آرم بتو بار بار توبہ

(باقی)

پھر عرقِ خجالت میں غرق ہو کر حق تعالیٰ سے التماس کرتا ہے:

تو غنی از ہر دو عالم من فقیر   روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
یا اگر بینی حسابم ناگزیر   از نگاہ مصطفیٰ پنہاں بگیر (اقبال)

پھر امید ورجا کی موج اس کے سینہ میں اٹھتی ہے وہ اس امر کا احساس کرتا ہے کہ حق تعالیٰ نے ایمان کی دولت سے اس کو سرفراز فرمایا۔ اپنے محبوب کی زیارت کے لئے وطن سے نکال کر اس مقدس مقام پر پہنچایا۔ حظ دنیا یا تجارت اس سفر سے اسکو مقصود نہ تھا۔ فقط آپ کی بے پایاں محبت اور آپ کے آثار کے دیکھنے کے شوق ہی نے اسکو وطن مالوف سے نکالا۔ زندگی میں جب آپ کا دیدار نصیب نہ ہوا تو اس نے اس پر ہی قناعت کی کہ آپ کی مسجد مبارک میں حاضر ہو کر آپ کی قبر اطہر کی دیوار پر ہی نظر ڈالے ؎

عزبتے گر روی بشہر و دیار   روی در مسجدِ مصطفا کن
دوست را گر نمی توانی دید   خانۂ دوست را تماشا کن

جب حق تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے یہ سامان مہیّا کر دیئے تو اب اسکی رحمت سے یہی توقع ہے کہ وہ اس کی طرف نظر رحمت سے دیکھیں گے۔ اور اس کے گناہوں کو معاف فرما دیں گے ؎

اندر عملم آنچہ ترا شاید نیست   اندر کرمت آنچہ مرا باید ہست

جب مسجد نبوی میں قدم رکھتا ہے تو یہ سوچتا ہے۔ کہ یہ وہ مقدس جگہ ہے جسکو حق تعالیٰ نے اپنے نبی مکرمؐ اور مسلمانوں میں سے اوّل اور افضل لوگوں کے لئے تجویز فرمایا جو بقول عارف رومیؒ ؎

بر تر از عرش و کرسی و خلا   ساکناں مقعدِ صدقِ خدا

اور جو حق تعالیٰ کی نظر میں "محبوب و مطلوب و پسند" رہے ہیں۔

جانتا ہے کہ یہی وہ مقام ہے۔ جہاں سب سے پہلے حق تعالیٰ کے فرائض ادا ہوئے اور کامل عبودیت کے ساتھ ادا ہوئے۔ یہی وہ زمین ہے جس میں تمام مخلوق سے افضل و برتر لوگ حالت حیات وحالت ممات میں جمع ہیں۔ اب وہ توقع کرتا ہے۔ کہ حق تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمائیں گے۔ اور دل ہی دل میں عرض کرتا ہے ؎

بضاعت نیا وردم الّا امید   خدایا ز عفوم مکن ناامید (سعدیؒ)

الفرقان کے مختلف نمبرات سے بشکریہ ترتیب دیا گیا

قربانی اور اسلام

اسرار و حکم

تجدید ملت ابراہیمی

بندگی اور سپردگی کی عظیم یادگار

(تلخیص و انتخاب - ادارۂ الحق)

★ حضرت مولانا ابوالکلام آزادؒ
★ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ
★ شیخ التفسیر مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ
★ شیخ الطریقت مولانا مفتی محمد حسن امرتسریؒ
★ حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ،
★ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ،

قربانی

حقیقتِ اسلامی کی اصلی آزمائش

(از مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم)

—— اور سب سے آخر یہ کہ جب حقیقتِ اسلامی کی آخری مگر اصلی آزمائش کا وقت آیا تو وہ اسلام ہی تھا جس نے ابراہیم کے ہاتھ چھری دی تاکہ فرزندِ عزیز کو ذبح کر کے ماسوی اللہ کی قربانی کرے۔ اور اسلام ہی تھا جس نے اسماعیل کی گردن جھکادی۔ تاکہ اپنی جان عزیز کو اسکی راہ میں قربان کردے جبکہ اس نے پوچھا:

قال یٰبنی انی اریٰ فی المنام انی اذبحک فانظر ماذا تریٰ (پ ۲۳ ع ۷) اے فرزندِ عزیز! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ گویا تجھے اللہ کے نام پر ذبح کررہا ہوں۔ پھر تیرے خیال میں یہ بات کیسی ہے۔

تو یہ وجود ابراہیمی کی بلکہ "اسلام" ہی کی صدا تھی اور پھر جب اس کے جواب میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے کہا کہ:

یا ابت افعل ما تؤمر ستجدنی ان شاء اللہ من الصابرین۔ اے باپ یہ تو گویا اللہ کی مرضی اور اس کے حکم کا اشارہ ہے۔ اسکو بلا تامل انجام دیجئے اگر اسی خدا کی مرضی ہو تو آپ دیکھ لیں گے کہ میں صبر کرنے والوں میں سے ہوں۔ (پ ۲۳ ع ۷)

تو یہ بھی حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی نہیں بلکہ "اسلام"

ہی کی صدا تھی۔ پھر جب باپ نے بیٹے کو مینڈھے کی طرح سختی سے پکڑ کر زمین پر گرایا تو وہ اسلام ہی کا ہاتھ تھا جو ابراہیم کے اندر سے کام کر رہا تھا۔ اور جب بیٹے نے اس ذوق وشوق کے ساتھ جو مدتوں کے پیاسے کو آب شیریں سے ہوتا ہے۔ اپنی گردن مضطرب ہو کر چھری سے قریب کر دی تو وہ حقیقت اسلامی ہی کی محویت کا استیلا تھا جس نے نفس اسماعیل کو فنا کر دیا تھا۔ اور اسی فنا سے مقام ایمان کو بقا رہے۔

سلامٌ علیٰ ابراھیم کذٰلک نجزی	پس سلام ہو حقیقت اسلامی کی قربانی کرنے
المحسنین انہ من عبادنا المؤمنین	والے ابراہیمؑ پر ہم مقام احسان تک پہنچنے
(پ ۲۳ ع ۷)	والوں کو (بقائے دوام) کا بدلہ ایسا ہی عطا

فرماتے ہیں۔ بیشک وہ ہمارے حقیقی مومن بندوں سے تھا۔

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

؎ غافل مرو کہ تا در بیت الحرام عشق صد منزل ست و منزل اول قیامت ست

——— اللہ اللہ اس نیرنگ ساز ازل کے کاروبار محبت کی بوقلمونی کو کیا کہیے کہ اس حریم محبت کی ساری آرائش دوستوں کے خون کے چھینٹوں اور مضطرب لاشوں کی تڑپ سے ہی ہے۔ دوستوں کو کٹواتا ہے۔ مگر دشمنوں کو مہلت دیتا ہے ——— باپ کے ہاتھ میں چھری دیتا ہے۔ کہ بیٹے کو قتل کرے اور بیٹے سے کہتا ہے کہ خوش خوش گردن جھکا دے کہ یہاں جان دینا ہی نہیں بلکہ جان دینے کو روز عیش و نشاط سمجھنا بھی شرط ہے ؎

آہ ایں چہ دوستی ست سرہائے یکدگر خویشاں بریدہ بردہ قاتل نہادہ اند

ابراہیم کے دل میں اپنی محبت کے ساتھ بیٹے کی محبت گوارا نہ ہوئی اور اسمعیل کے پہلو میں اپنے گھر کو دیکھا تو محبت نفس وجان کی پرچھائیں نظر آئی۔ ع۔

عشق ست و ہزار بدگمانی

غیرت الٰہی نے اسکو بھی منظور نہیں کیا۔ حکم ہوا کہ پہلے محبت کے مکان کو ایک ہی مکین کے لئے خالی کر دو۔ پھر اس طرف نظر اٹھا کر دیکھنا ——— الغیرۃ من صفات حضرۃ الربوبیۃ۔ محبت کی عشق آموزی کا پہلا سبق غیرت ہے ——— اور یہی معنی ہیں اس آیت کریمہ کے :

ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ ویغفر	اللہ تعالیٰ تمام گناہوں سے درگذر کر سکتا ہے
ما دون ذٰلک لمن یشاء (پ ۵ ع ۴)	مگر اس کو کبھی معاف نہیں کر سکتا۔ کہ تم اسکی
	محبت میں کسی دوسرے کو شریک کرو ———

سلطانِ محبت تمام گناہوں کو معاف کر سکتا ہے۔ مگر اسکی عدالت میں دل کی تقسیم کا کوئی قانون نہیں ہے۔ آپ کا دوست ہزار کج ادائیاں کرے۔ آپ کا دل محبت پرست اسکی شفاعت سے باز نہ آئے گا۔ لیکن آپ اس گوشہ نظر سے کیوں کر درگذر کر سکتے ہیں۔ جو آپ کی طرف نہیں بلکہ کسی دوسری جانب تھی۔ آپ کسی کی بے مہری کو تو گوارا کر سکتے ہیں۔ لیکن اس خمار کو کیونکر دیکھ سکتے ہیں جو صحبت غیر کی شب بیداریوں سے پیدا ہوا ہو ــــ؟ اگر کبھی اس کوچے میں گذر ہوا ہے۔ تو اپنے دل سے پوچھ لیجئے کہ میں کیا کہہ رہا ہوں۔ البتہ اس مسئلہ کے سمجھنے کے لئے مدرسہ سے باہر بھی کچھ سیکھنا ضروری ہے ــــــ ع کیں مسئلہ و نسخہ محمود و ایاز ست

قربانی کی حقیقت

ـــــــ حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمۃ ـــــــ

بعض لوگ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ کہ مکہ معظمہ میں ہزاروں جانوروں کا ذبح ہوجانا خلاف عقل ہے کیونکہ ان کا گوشت کوئی نہیں کھاتا۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جناب من ہے تو فحش بات مگر تفہیم (سمجھانے) کے لئے عرض ہے۔ کہ اگر تمہاری سمجھ میں کسی چیز کا نہ آنا خلاف عقل ہونے کی دلیل ہے تو ہمارا آپ کا پیدا ہونا جس طریقہ سے ہے وہ بھی عقل کے خلاف ہے۔ اور اس کا امتحان یہ ہے۔ کہ ایک بچہ ایسا تجویز کیا جائے کہ اسکی پرورش نہ خانے میں ہو اور اس کے سامنے کبھی اس کا تذکرہ نہ کیا جائے کہ آدمی کس طرح پیدا ہوتا ہے۔ تو ہرگز اسکی عقل میں نہ آئے گا۔ اور ہم چونکہ رات دن دیکھتے ہیں سنتے ہیں۔ کہ اسی طریقہ سے پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ہم کو خلاف معلوم نہیں ہوتا ــــ تو جناب! ہم تو جب سے پیدا ہوئے ہیں ہمارے حالات ہی خلاف عقل ہیں۔ ہماری عقل تو بس کھانے کمانے کی ہے۔ ایسے ہی جیسے کسی بھوکے سے پوچھا تھا کہ دو اور دو کتنے ہوتے ہیں۔؟ کہا چار روٹیاں۔ ایسے ہی عقل صرف اس قدر ہے کہ کھالو، پی لو۔ اور باتیں بنالو۔ جب اتنی عقل ہے تو اسرار شریعت کہاں سے سمجھ میں آئیں۔ ایسے ہی نفسِ اضحیہ بلا تقسیم لحم کے (محض قربانی کرنا۔ جس گوشت کو تقسیم نہ کیا جائے۔) بھی حکمت ہے۔ اگر ہماری عقل میں نہ آئے تو قابل انکار کیسے ہوگی۔ اور اس لئے ہمارے (علماء کے) ذمہ ضروری نہیں ہے۔ کہ اسکی حکمت و راز کو بیان کریں۔ لیکن تبرعاً بتائے دیتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ اصل میں یہ سنت ابراہیمی کا اتباع ہے۔ اور شئے محبوب کا انفاق مقصود ہے۔ (قربانی اصل میں سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی

سنت کی پیروی ہے۔ اور اصل مقصود یہ ہے کہ اپنی پیاری چیز اللہ کے نام پر خرچ کی جائے جیساکہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنے پیارے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو اللہ کی رضا کے لئے قربان کرنے کو تیار ہو گئے تھے۔) اور یہ مقصود صرف جانور ذبح کرنے سے حاصل ہو رہا ہے۔ گوشت خواہ رکھیں یا تقسیم کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اصل عمل تو یہ تھا کہ بیٹے کو ذبح کریں۔ لیکن اول تو سب کا بیٹا ہوتا نہیں، دوسرے یہ کہ اگر یہ حکم ہوتا تو بہت کم ایسے نکلتے جو یہ عمل کرتے (یعنی بیٹے کو قربان کرنا) یہ حق تعالیٰ کا فضل ہے کہ جانور کو قائم مقام ذبح ولد کے کر دیا۔ (یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے جانور ذبح کرنے کو بیٹا ذبح کرنے کے قائم مقام کر دیا) اس لئے یہ کہنا کہ قربانی میں مال ضائع کرنا ہے۔ جیسے آجکل نوتعلیم یافتہ حضرات کا خیال ہے، سراسر غلط ہے۔ اور قربانی کا مقصود اللہ تعالیٰ کے ساتھ اظہار محبت ہے اور وہ (قربانی کر دینے سے) ہمیں حاصل ہے۔ پھر مال کہاں ضائع ہوا۔

(وعظ ترغیب الاضحیۃ)

بنیادِ ابراہیمی پر قصرِ شریعتِ محمدی کی تعمیر

شیخ التفسیر مولانا احمد علی لاہوریؒ

قرآن حکیم سے معلوم ہوتا ہے کہ نسلِ انسانی کا بیج جب سے سطح دنیا پر بویا گیا ہے۔ اسی وقت سے یہ مبارک رسم قائم ہوئی ہے۔

قولہ تعالیٰ واتل علیہم نبأ ابنی آدم اذ قربا قربانا فتقبل من احدہما ولم یتقبل من الآخر۔	ان لوگوں کو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کا واقعہ قصہ سنا دے۔ ان دونوں نے قربانی کی پھر ایک کی قبول ہوئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی۔ (انتہی)

ابراہیمی قربانی اور اسکے نتائج

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب میں دیکھا کہ میں اپنے بیٹے (حضرت اسماعیل) کو ذبح کر رہا ہوں۔ انبیاء علیہم السلام کے خواب الہام الٰہی ہوتے ہیں۔ اس لئے اس خواب کو حکم الٰہی سمجھ کر بیٹے سے استصواب فرمایا۔ بیٹے نے عرض کی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کیجئے۔ مجھے خدا تعالیٰ کے فضل سے آپ صابر پائیں گے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام صاحبزادے کو ذبح کرنے کے لئے لے گئے۔ جب ذبح کرنے کی غرض سے بیٹے کو لٹایا اس وقت اللہ تعالیٰ کیطرف سے آواز آئی (اے ابراہیم علیہ السلام) تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بیٹے کے عوض ایک مینڈھا عطا فرمایا جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام

نے ذبح کیا۔ جب حصولِ رضا الٰہی کے لئے بیٹا ذبح کرنے کو تیار ہو گئے تو اپنی جان قربان کرنے میں انہیں بطریقِ اولیٰ کوئی دریغ نہ تھا۔ جب جان اور اولاد قربان کرنے کے لئے تیار تھے تو مال قربان کرکے خدا تعالیٰ کو راضی کرنے میں انہیں کیا عذر ہوگا۔ جب ان کے ہاں جان اولاد اور مال رضائے الٰہی کے مقابلے میں کوئی چیز نہ تھا تو وہاں حُبِّ وطن محبتِ الٰہی کا کب مقابلہ کر سکتی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے میں جان اولاد کی پرواہ نہیں کرتے تو اعزہ و اقربا کے تعلقات انہیں دروازہ الٰہی سے کب ہٹا سکتے ہیں۔ جب ان کی جان اولاد اور اعزہ و اقربا اس دریتیم (رضاء الٰہی) پر قربان ہو چکے ہیں تو حبِّ بقیہ احبابِ دنیا انہیں کب یادِ الٰہی سے غافل کر سکتی ہے۔ جب رضاء الٰہی انہیں جان اور اولاد سے زیادہ عزیز ہے۔ تو کوئی تجارت و زراعت یا صنعت و حرفت ان کا دل کب لبھا سکتی ہے۔

تجدیدِ ملتِ ابراہیمی

سید المرسلین خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام دراصل ملتِ ابراہیمی کے مجدد ہیں

وجاھدوا فی اللہ حق جھادہ ھو	اور اللہ کے کام میں خوب کوشش کیا کرو جیسا
اجتبٰکم وما جعل علیکم فی الدین	کوشش کرنے کا حق ہے۔ اس نے تم کو (اور امتوں سے)
من حرج۔ ملۃ ابیکم ابراھیم ھو	ممتاز فرمایا۔ اور (اس نے) تم پر دین کے احکام
سمٰکم المسلمین۔ (سورہ حج رکوع ۱۰ پ ۱۷)	میں کسی قسم کی تنگی نہیں کی تم اپنے باپ ابراہیمؑ

کی (اس) ملت پر (ہمیشہ) قائم رہو اس (اللہ) نے تمہارا لقب مسلمان رکھا ہے۔

چونکہ شفیع المذنبین رحمۃ للعٰلمین بنیادِ ابراہیمی پر قصرِ شریعتِ محمدی تعمیر کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ اس لئے آپ نے بھی اپنی امت کو حصولِ رضاء الٰہی کی خاطر قربانی کی یاد تازہ کرائی تاکہ امتِ محمدیہ کے ہر فرد سے ابراہیمی خوشبو آئے اور ہر کلمہ گو کا نورِ ایمان ابراہیمی نور سے مشابہ ہو جائے۔ مسلمانوں کا فرض ہے۔ کہ قربانی کرتے وقت جذباتِ ابراہیمی کا خیال رکھیں۔ دل کے انہی پاکیزہ جذبات کا نام تقویٰ ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب و مقبول ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

لن ینال اللہ لحومھا ولا دماؤھا	اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانیوں کا گوشت اور
ولکن ینالہ التقوٰی منکم۔	خون نہیں پہنچتا۔ اس کے ہاں (اس) تقویٰ

کی قدر و قیمت ہے۔ (جو قربانی کرنے والے کے دل میں حاصل ہوتی ہے۔)

بفضلہ تعالیٰ امتِ محمدیہ دعویٰ سے کہہ سکتی ہے کہ شریعتِ محمدیہ کے ہر حکم میں دین و دنیا، دنیا اور آخرت کی کامیابی کا راز مضمر ہے۔ ادہر خدا تعالیٰ راضی ہو جاتا ہے۔ تو ادہر دنیا سنور جاتی ہے۔

ادھر آخرت کی نجات کا سرٹیفکیٹ مل جاتا ہے۔ تو ادھر دنیا کی ذلتوں سے انسان رہائی پا جاتا ہے۔

پیغام فتح اسلام | اگر مسلمان عید قربان کو جذبات ابراہیمی کی یاد تازہ قرار دیں اور ہر سال شمع رضائے الٰہی پر پروانہ وار قربان ہونے کے لئے دل و جان ظاہر و باطن سے تیار رہیں۔

تو مالک الملک ذوالجلال والاکرام عز اسمہ و جل مجدہ ان کی پشت پناہ ہوگا۔ پھر ایسے سر فروش فدایانِ اسلام کی جماعت جس میدان میں قدم رکھے گی۔ خدا تعالیٰ ان کی جماعت کے لئے زمین و آسمان کے لشکر بھیج دے گا۔ پھر یہ دنیا میں چالیس کروڑ نہیں چالیس سو بھی ہوں گے تو ہر میدان میں فتح و نصرت کا سہرا انہیں کے سر ہوگا۔ دنیا میں کوئی قوم ان کے مقابلہ کی تاب نہیں لا سکے گی۔ جو قوم مقابلہ میں آئے گی منہ کی کھا کر جائے گی۔ ——— (انتخاب از "فلسفہ عید قربان")

جان کے بدلے جان کی قربانی

——— جامع شریعت و طریقت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری لاہوری خلیفہ حضرت حکیم الامتؒ ———

حضرات میں چند ہفتوں سے قربانی کے متعلق جس چیز کو رو رہا ہوں وہ عمل قربانی کو نہیں، بلکہ میں عقیدہ قربانی کو رو رہا ہوں۔ انگریزی اخبارات میں متعدد بار اور مسلسل اس کے خلاف مضامین چھپتے رہے ہے۔ اور میں اپنے احباب سے برابر پوچھتا رہا کہ کیا کسی اخبار نے اس کا کوئی جواب لکھا۔؟ مگر مجھے یہی معلوم ہوتا رہا کہ تمام اخبارات اسکی طرف سے خاموش ہیں۔ جو شخص اس کے خلاف لکھ رہا ہے۔ اور قربانی کو رسم بد اور فساد فی الارض کہہ رہا ہے۔ کہ قربانی کی بھی ایک رسم بد چل پڑی ہے جسطرح تراویح کی رسم بد چل پڑی۔ یہ شخص بارہ سو برس کے اجماعی عقیدہ کا انکار کر رہا ہے۔ جو عقیدہ ابتدائے اسلام سے لیکر آج تک مسلمانوں کا متفقہ عقیدہ رہا یہ شخص اسکو فساد فی الارض کہہ رہا ہے۔

غرض یہ لوگ اس عقیدہ کو مسلمانوں کے دلوں سے نکال دینا چاہتے ہیں۔ لیکن عقیدہ ہی وہ چیز ہے۔ جسکی درستی ہی سے مسلمان مسلمان رہ سکتا ہے۔ اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھتا ہو کہ قربانی ضروری ہے۔ مگر باوجود استطاعت کے اسکو نہ کرتا ہو تو اس شخص کی نجات ہو جائے گی۔ مگر جو شخص ایسا ہو کہ اس کا عقیدہ یہ ہے کہ یہ قربانی اسراف مال ہے۔ اور بیکار فعل ہے۔ پھر اگرچہ اس عقیدہ کے ساتھ وہ قربانی ہمیشہ کرتا رہے مگر اس خرابی عقیدہ کی بنا پر ابدالآباد تک جہنم میں رہے گا۔ تو میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ یہ عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ قربانی ہر غنی پر واجب اور ضروری ہے۔ ورنہ دائرۂ اسلام میں رہنا ناممکن

ہے۔ اور یہ زہر ایسا پھیلا ہے کہ میرے پاس باہر سے بھی خطوط آتے رہے ہیں۔

یہ الفاظ کہ "قربانی بھی ایک رسم بد چل پڑی ہے جسطرح تراویح مسلمانوں میں ایک رسم بد چل پڑی کفر کے الفاظ ہیں۔ تو غرض عمل و عقیدہ میں بڑا فرق ہے۔ عمل کو ترک کر دینے سے نجات کی امید ہے۔ مگر عقیدہ ترک کر دینے سے نجات ہی نہ ہو گی ــــــــ

جب عقائد اسلام پر حملہ ہو تو ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ جس طرح بھی ممکن ہو وہ اسلام کی مدد کرے اور حقیقت میں یہ اسلام کی مدد نہ ہو گی، بلکہ خود اپنی مدد ہو گی۔ اپنی جان کی مدد ہو گی اپنی آخرت کی مدد ہو گی ــــــــ

ہم پر جو قربانی فرض کر دی گئی وہ اسی نسبت ابراہیمی کو زندہ کرنے کے لئے جب کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "سنۃ ابیکم ابراھیم" تو چونکہ حضرت ابراہیمؑ کی قربانی میں گوشت مقصود نہ تھا، بلکہ جان دینا تھا۔ اسی لئے ہمارے لئے بھی حکم ہے کہ قربانی کی جان دینا مقصود ہے۔ جو اصل میں بدل ہے اپنی جان کا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ فقہاء لکھتے چلے جاتے ہیں۔ کہ اگر کسی نے قربانی کا سارا گوشت خود ہی رکھ لیا۔ اور اسکی کھال بھی اپنے ہی استعمال میں لے آیا تب بھی قربانی ہو گئی۔ دوسرے صدقات تو مال کو ملک سے نکالنا مقصود ہے۔ لیکن اس جگہ مال تو ملک میں رہتا ہے۔ تو جب گوشت بھی اسی کی ملک رہا اور کھال وغیرہ بھی اسی کی ملک میں رہی۔ تو آخر اس کے پاس سے کیا چیز نکل گئی جس کا ثواب ملا ؟ تو ظاہر ہے کہ صرف قربانی کی جان نکلی ہے۔ اور یہی مقصود ہے قربانی کا۔ اس لئے اسکو دوسرے صدقات پر قیاس کر کے یہ کہنا کہ اتنا گوشت ضائع ہو رہا ہے، حماقت ہے۔ کیا جس مال کے خرچ کرنے سے اللہ مل جائیں وہ مال ضائع ہو گا۔ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سو اونٹ قربان فرمائے اور سو اونٹ قربانی فرمانے میں ایک حکمت یہ بھی کہ اگر کوئی شخص کسی کو قتل کر دے اور اس سے خون بہا یعنی خون کا بدلہ دیا جائے تو شریعت نے ایک انسانی جان کا خون بہا سو اونٹ مقرر فرمائے ہیں۔ اور اس مقدار پر چاروں اماموں کا اتفاق ہے تو گویا آپ نے سو اونٹ قربانی فرما کر یہ بتا دیا کہ قربانی دراصل انسان کی جان کا بدلہ ہے۔ اور یہ سو اونٹ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی جان کا بدلہ دیا۔ تو اصل گوشت پوست نہیں بلکہ جان دینا ہے۔ اب جب یہ بات سمجھ میں آ گئی اور خدا کرے کہ سمجھ میں آ گئی ہو کہ قربانی دراصل جان کے قائم مقام ہے تو اب سمجھئے کہ اگر آپ قربانی کی بجائے صدقہ دیویں تو کیا صدقہ قربانی کا بدل ہو سکتا ہے اور کیا یہ صدقہ جان کا بدل ہو سکتا ہے ؟ کیونکہ آپ نے لاکھ روپے بھی صدقہ دیا تب بھی وہ آپ کی جان کی قیمت نہیں۔ کیونکہ اگر کسی شخص کو

لاکھ روپیہ اس شرط پر دیا جائے کہ تم اپنی جان دے دو۔ تو وہ ہرگز اس پر راضی نہ ہوگا۔ تو اب خداوند تعالیٰ کی رحمت دیکھئے کہ انہوں نے قربانی کو جان دینے کا بدلہ بنا کر بڑا احسان کیا کہ جو اجر و ثواب کروڑوں روپیہ خرچ کر کے بھی نہ ملتا وہ چند روپے خرچ کرنے سے عطا فرما دیتے ہیں ———

اب جو مخالفین کہہ رہے ہیں۔ کہ روپے خیرات کر دو۔ کیا کوئی ذی ہوش یہ خیال کر سکتا ہے۔ یہ قیمت اور روپے قربانی کے (یعنی جان دینے کے) برابر ہو جائیں گے۔ اگر کروڑ روپے بھی کوئی شخص خیرات کر دے تب بھی قربانی کا ثواب حاصل نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ ہم پر ایسا سخت دور بھی آیا کہ کئی کئی وقت کھانے کو نہ ملتا تھا۔ صرف چند کھجوروں پر کئی کئی دن گذر جاتے تھے۔ اور بعض اوقات تو صرف گٹھلیاں چوس چوس کر صحابہؓ نے وقت گذارا ہے۔ مگر باوجود اتنی تنگی اور سختی کے بھی قربانی کی گئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا کہ قربانی کا روپیہ ان لوگوں کو دیدو۔ حالانکہ ان سے زیادہ اور کون ضرورت مند ہوگا ——— اور اس سے زیادہ کون سا دور سخت ہوگا ———

اس سے معلوم ہوا کہ قربانی ہی کرنا ضروری ہے۔ قیمت یا روپیہ دینا کافی نہیں ہو سکتا۔ یہی راز ہے کہ فقہاء نے تصریح کی ہے۔ کہ اگر ایک گائے میں چھ حصہ دار تو قربانی کے حصے لیں۔ اور ایک حصہ کوئی شخص گوشت کرنے کو لے لے تو ان چھ آدمیوں کی بھی قربانی نہیں ہوئی۔ کیونکہ قربانی کا مقصود جان دینا ہے۔ جس کا تجزیہ نہیں ہو سکتا۔ اس لئے سب کی قربانی بیکار گئی۔ تو اگر گوشت مقصود ہوتا تو سب کی قربانی ہو جاتی۔ اسی طرح جانور میں شرطیں ہیں کہ اندھا نہ ہو لنگڑا نہ ہو وغیرہ۔ تو اگر گوشت مقصود ہوتا تو یہ شرطیں کیوں ہوتیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ دراصل گوشت مقصود ہے ہی نہیں بلکہ اصل جان دینا ہے۔

اس کے بعد یہ سنئے کہ قربانی ہر جگہ کرنا ضروری ہے۔ یہ جو کہا جا رہا ہے۔ کہ صرف مکہ میں ہی قربانی ہو سکتی ہے۔ یہ غلط ہے۔ چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ مدینہ منورہ میں کسی شخص نے قبل نماز قربانی کر دی اور آ کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ حضورؐ میں نے قربانی کر دی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ قربانی نہیں ہوئی۔ "شاۃ لحم" یہ گوشت کی بکری ہو گئی۔ اور یہ واقعہ مدینہ منورہ میں ہوا۔ اس لئے کہ عید کی نماز مکہ معظمہ میں نہیں ہوتی۔ وہاں پر خدا تعالیٰ نے معاف کر دی ہے۔ کیونکہ ارکانِ حج ادا کرنے ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن مجید میں ارشاد ہے کہ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ۔ تو اس جگہ قربانی کو خدا تعالیٰ نے نماز کے ساتھ جوڑا۔ اس میں پتہ دیا اس بات کا کہ جس طرح نماز کے

اوقات مقرر ہیں اسی طرح قربانی کا بھی وقت مقرر ہے کہ دسویں تاریخ کو نمازِ عید کے بعد بارھویں کے غروب آفتاب تک اس کا وقت ہے۔ اگر بارھویں کے غروب کے بعد یا عید کی نماز سے قبل تو اونٹ بھی ذبح کئے تو اتنا ثواب نہ ہوگا جتنا اس وقت میں ایک حصہ کرنے کا۔ تو یہ عبادت بھی نماز کی طرح ہے کہ جس کا وقت متعین ہے مکان متعین نہیں ———

قربانی کا ہر جگہ ضروری ہونا یہ ایک ایسی چیز ہے۔ کہ اس کے لئے دلیلیں بیان کرتے ہوئے بھی شرم آتی ہے۔ کہ آج عوام کی دینی حالت اس قدر مضمحل ہوگئی ہے۔ کہ ایسی ظاہر باتوں میں بھی ان کو شبہات پیدا ہونے لگے۔ اصل یہ ہے کہ بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں۔ کہ ان کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث کی ضرورت نہیں پڑتی۔ (اگرچہ اس کا ثبوت قرآن وحدیث میں بکثرت موجود ہے) مثلاً ہم کو اس کا علم ہے کہ زمین پر "بغداد" بھی ایک شہر آباد ہے۔ حالانکہ ہم نے کبھی بغداد کو دیکھا نہیں۔ مگر چونکہ ساری دنیا اس کے وجود پر متفق ہے۔ اور جب سے بغداد آباد ہوا ہے اس وقت سے برابر نسلاً بعد نسل ہر شخص اس کے وجود کو تسلیم کرتا چلا آرہا ہے۔ اس لئے ہم کو بھی اس میں کوئی شبہ نہیں ہوتا نہ کبھی اس کے ثبوت کے لئے قرآن وحدیث کی ضرورت پڑی ہے۔ اسی طرح یہ قربانی کا عمل ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے لیکر آج تک ہر جگہ یہ عمل رہا۔ صحابہؓ نے کس قدر قربانیاں کیں۔ اور تابعین نے لاکھوں کی مقدار میں تو بلا مبالغہ اور ممکن ہے کہ کروڑوں کی تعداد میں قربانیاں کی ہوں۔ علیٰ ہذا تبع تابعین نے۔ تو جس عمل پر صحابہ تابعین تبع تابعین اور امت کے تمام علماء وصلحاء چودہ سو برس سے متفق ہوں وہ آج لاہور میں آکر چند بے دین لوگوں کے نزدیک جو صرف یہیں کی پیداوار ہیں بے کار اور بے اصل قرار پائے ———

الغرض یہ کوئی نظری عقیدہ نہیں کہ جس کو دلائل قائم کرکے ثابت کیا جائے۔ بلکہ آفتاب سے زیادہ روشن اور واضح ہے اور چودہ سو برس کے مسلمانوں کا متفقہ تعامل ہے۔ جیسے بغداد کے شہر کی مثال ابھی گذری ———

امام ابوحنیفہؒ قربانی کے ہر جگہ ہونے پر بحث فرما رہے ہیں۔ اسی طرح امام شافعی ودیگر ائمہ اس موضوع کے ہر پہلو کو واضح فرما رہے ہیں۔ اور یہ حضرات پہلی صدی کے لوگ ہیں۔ تو کیا اس وقت سے آج تک کوئی اس حقیقت کو نہ سمجھا جو آج ان چند جدید لاہور کے محققین پر واضح ہوئی۔؟

میں بقسم کہتا ہوں اور میرے پاس قسم سے زیادہ کوئی چیز یقین دلانے کے لئے نہیں کہ یہ لوگ دین کی حقیقت ہی نہیں سمجھے۔ اگر دین کی ہوا بھی ان کو لگی ہوتی تو یوں ٹھوکریں نہ کھاتے۔ دین

کی سمجھ پیدا ہوتی ہے۔ علم دین پڑھنے اور نیک صحبت اختیار کرنے سے مگر آجکل لوگوں کو دین سے صرف غفلت ہی نہیں بلکہ نفرت و وحشت ہے ———

اب رہا یہ سوال کہ اس کا دنیا میں کیا نفع ہے ——؟ سو یہ ایسا سوال ہے کہ اس کا جواب تبھی سمجھ میں آسکتا ہے جسکو یہ سارا نقشہ مستحضر ہو۔ یعنی حاجیوں کا جانا اسکی وجہ سے دل پہ چوٹ لگنا دل میں وہاں جانے کی حسرت ہونا جن لوگوں پر یہ کیفیات طاری ہوں ان سے پوچھئے کہ ان کو یہ تشبہ حاصل کرکے کیا کچھ سکون حاصل ہوتا ہے۔ اور جو شخص ایسا ہو کہ جس کے دل پر نہ چوٹ لگے نہ عید کے دن اس کو کوئی خاص اہتمام ہو نہ خوشبو، نہ غسل نہ قربانی تو اس کو ان باتوں کی کیا قدر ہوسکتی ہے۔ یہ تو وہی سمجھ سکتا ہے جس کے دل پر کچھ چوٹ لگی ہو۔ مولانا روم فرماتے ہیں ؎

حج زیارت کردن خانہ بود　　　حج رب البیت مردانہ بود

(انتخاب از وعظ قربانی)

قربانی ——— اسلامی اعمال کی روح

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ
مہتمم دار العلوم دیوبند

کائنات میں جسطرح مجموعۂ بدن کے لئے مجموعہ روح ہے۔ اسی طرح ہر چیز کی علیحدہ علیحدہ روح بھی ہے۔ جیسے آنکھ میں قوت بینائی اسکی روح ہے۔ وغیرہ اسی طرح سارے اعمال شرعیہ کی ایک روح ہے۔ اور پھر ہر عمل کی علیحدہ علیحدہ روح ہے۔ اور اس روح کا نام تقویٰ ہے چنانچہ قربانی کے متعلق ارشاد ہے:

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا　　　خدا تعالیٰ کو قربانی کا گوشت اور خون نہیں
وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔　　　پہنچتا۔ ولیکن تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

تو قربانی کی روح بھی تقویٰ ہے۔ سو اگر کوئی صاحب یہ کہے جب قربانی سے تقویٰ مقصود ہے تو قربانی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ بلکہ تقویٰ اختیار کرلو تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ پھر سارے اسلام کو چھوڑ کر بس تقویٰ ہی اختیار کرلو۔ کیونکہ روزہ کے متعلق ارشاد ہے:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ　　　تم پر روزوں کا حکم ہوا جیسے تم سے اگلے
عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ　　　لوگوں پر حکم ہوا تھا شاید کہ تم پرہیزگار ہوجاؤ۔

تو روزہ کا حاصل بھی تقویٰ ہی ہے۔ نماز کے متعلق ارشاد ہے کہ:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ۔	نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے۔

جس کا حاصل تقویٰ ہی ہے۔ لہٰذا نماز و روزہ بھی چھوڑ دیجئے۔ پھر ارشاد ہے کہ:

لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق	مشرق اور مغرب کی طرف منہ کرنا نیکی نہیں
والمغرب ولکن البرمن اٰمن باللّٰہ والیوم الاٰخر	ہاں نیکی یہ ہے کہ جو اللہ اور قیامت کے دن
والملئکۃ والکتٰب والنبیین واٰتی المال	اور ملائکہ اور کتابوں اور نبیوں پر ایمان لائے
علی حبہ ذوی القربٰی والیتٰمٰی والمسٰکین	اور اسکی محبت پر مال دے رشتہ داروں
وابن السبیل والسائلین وفی الرقاب	یتیموں، مسکینوں، مسافروں، سوالیوں کو اور
واقام الصلوٰۃ واٰتی الزکوٰۃ والموفون	گردنیں چھڑانے میں اور نماز قائم کرے اور
بعھدھم اذا عاھدوا والصٰبرین فی	زکوٰۃ دے اور جو لوگ اپنے عہد پورے
الباساء والضراء وحین الباس اولئک	کریں اور تنگی و سختی میں صبر کرنے والے ہی
الذین صدقوا واولئک ھم المتقون۔	لوگ سچے ہیں۔ اور یہی متقی ہیں۔

غرض سارے اسلام کا حاصل تقویٰ نکلا۔ اس لئے سب کو چھوڑ کر بس تقویٰ اختیار کر لیجئے لیکن بالکل غلط ہے۔ اس لئے کہ جس طرح ہر جز کی روح علیحدہ ہے۔ اسی طرح ہر عبادت کا تقویٰ جداگانہ ہے۔ تو جو تقویٰ گوشت پوست کے ذریعہ پہنچتا ہے اور حاصل ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسری عبادت صدقہ وغیرہ سے کیسے حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً زید کی روح کو گدھے کے قالب میں اگر منتقل کر دیا جائے تب بھی وہ زید نہ بنے گا۔ بلکہ وہ گدھا ہی رہے گا۔ اسی طرح صدقہ صدقہ ہی رہے گا۔ قربانی کا قائم مقام اسے کیسے کیا جا سکتا ہے۔ تو دنیا میں تو بغیر صورت کے چارہ نہیں اس لئے قربانی کرنی ہی پڑے گی۔ ہاں آخرت میں پہنچ کر آپ قربانی نہ کریں کیونکہ وہاں صورت ضروری نہیں لیکن اگر دنیا میں آپ نے اعمال کی صورت کو ترک کر دیا تو یقین رکھئے کہ آپ نے اسکی روح کو بھی فنا کر دیا اسی لئے نبی کریمؐ کا ارشاد ہے کہ:

الایمان سرّ والاسلام علانیۃ۔	ایمان پوشیدہ چیز ہے اور اسلام ظاہر۔

اور چونکہ قربانی کا قائم مقام صدقہ یا اور کوئی عبادت نہیں ہو سکتی۔ اس لئے نبی کریمؐ کا ارشاد ہے:

ما عمل ابن اٰدم من عمل یوم النحر احب	بقر عید کے دن سب سے زیادہ محبوب
الی اللّٰہ من اھراق الدم۔	قربانی ہی ہے ــــ

تو اس روز سوائے اس عمل کے دوسرا عمل کیسے اس کے قائم مقام ہو سکتا ہے۔

ذبح کا اصل مقصد جان کو پیش کرنا ہے۔ چنانچہ اس سے انسان میں جانسپاری اور جان نثاری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اور یہی اسکی روح ہے تو یہ روح صدقہ سے کیسے حاصل ہو گی۔ کیونکہ قربانی کی روح تو جان دینا ہے۔ اور صدقہ کی روح مال دینا ہے۔ پھر اس عبادت کا صدقہ سے مختلف ہونا اسی طرح بھی معلوم ہوتا ہے۔ کہ صدقہ کا کوئی دن متعین نہیں مگر اس کے لئے ایک خاص دن مقرر کیا گیا ہے۔ اور اس کا نام بھی یوم النحر اور عید الاضحیٰ یعنی قربانی کا دن رکھا گیا۔ یہاں تک قربانی کے مسئلہ کا تعلق ہے تو یہ سلفاً خلفاً ایسی ہی ہوتی چلی آئی ہے۔ انبیاء کا بھی اور امت کا بھی اس پر اجماع ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل میں سب کے یہاں قربانی تھی۔ ائمہ کرام کا بھی اس پر اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امام شافعی امام احمد بن حنبل اور امام ابو یوسف ان سب کے یہاں قربانی سنت ہے۔ اور امام ابوحنیفہ وغیرہ کے نزدیک واجب ہے۔ یہ اس کے حکم میں اختلاف اور ائمہ کے حقائق ہیں۔ مگر قربانی کی مشروعیت میں سب متفق ہیں۔ اور یہ اگر کوئی غیر شرعی عمل ہوتا تو احادیث میں اسکی صفات وغیرہ کیوں بیان کی جاتیں ـــــ؟ چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں۔ کہ ہم کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ہدایت فرمائی ـــــ

نَسْتَشْرِفُ الْعَيْنَ وَالْاُذُنَ وَاَنْ لَّا نُضَحِّيَ بِمُقَابِلَةٍ وَلَا مُدَابِرَةٍ وَلَا شَرْقَاءَ وَلَا خَرْقَاءَ۔

ہم قربانی کی آنکھ اور کان کی خوب دیکھ بھال کیا کریں۔ ہم نہ قربانی کریں ایسے جانور کی جس کا کان آگے سے کٹا ہوا ہو اور نہ جس کا کان پیچھے سے کٹا ہوا ہو اور نہ جس کا کان چرا ہو اور نہ جس کے کانوں میں سوراخ ہو ـــــ

اور اس کے علاوہ بھی بعض اوصاف مذکور ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ قربانی کے احکام صدقہ سے بالکل جداگانہ ہیں۔ اس لئے اس میں صدقہ کے احکام سے پرہیز کرنا ضروری ہے۔ پھر ساری امت آج تک بلا اختلاف اس عمل کو کرتی چلی آئی ہے۔ اور تعامل امت سب سے بڑی دلیل ہے۔

ایک اشکال کا جواب

اس جگہ یہ اشکال کہ قربانی کرنے سے جانور ختم ہو جائیں گے۔ سو اول تو یہ خیال ہی غلط ہے۔ کیونکہ روزانہ جو لاکھوں جانور بطور ذبیحہ کے کاٹے جاتے ہیں۔ عید کے دن وہ نہیں ذبح ہوتے۔ اس طرح کچھ معمولی سا فرق پڑتا ہو گا جو کسی طرح بھی قابل اعتبار نہیں۔ پھر اس روز غریب لوگوں کو بھی گوشت پہنچ جاتا ہے جو سال میں ایک آدھ دفعہ ہی کھا سکتے ہیں۔ پھر ان کی ساری کھالیں بھی غربا و مساکین ہی میں تقسیم ہوتی ہیں۔ غرض

بہت سے منافع اس سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ بھی خیال کیا جاتا ہے کہ جو روپیہ قربانی میں صرف ہوتا ہے۔ اس کو مہاجرین وغیرہ کی امداد میں صرف کیا جائے تو بیشک مہاجرین کی امداد ضروری ہے۔ مگر ہر کام کے لئے اسلام کے گلے پر کیوں چھری چلتی ہے، کچھ اپنی خواہشات نفس پر بھی تو چھری چلایئے۔ اور غیر شرعی اخراجات کو بند کر کے مہاجرین کی امداد کیجیئے مثلاً سینما ہے، شراب ہے۔ اور دوسرے فضول اخراجات ہیں۔ حاصل یہ کہ اب یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ جس طرح کائنات کی ہر چیز میں ایک صورت ہے۔ اور ایک روح اسی طرح اعمال شرعیہ میں بھی ایک روح ہے۔ اور جیسے وہاں ہر صورت کی ایک خاص روح ہے۔ جو دوسری صورت میں نہیں آسکتی۔ اسی طرح یہاں بھی ایک کی روح دوسرے میں نہیں آسکتی۔ سو اب سمجھئے کہ سارے اعمال شرعیہ کا مقصود تقویٰ ہے۔ مثلاً نماز سے عاجزی وانکساری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ روزہ سے تزکیہ نفس کی صورت میں جہاد سے شجاعت کی صورت میں صدقہ سے انفاق مال کی صورت میں اور قربانی سے جاں نثاری کی صورت میں تقویٰ حاصل ہوتا ہے۔ اب اگر آپ نے قربانی کی بجائے صدقہ کیا تو صدقہ سے جاں نثاری کا تقویٰ کیسے حاصل ہوگا۔ کیونکہ صدقہ کا تقویٰ تو اور طرح کا ہے۔ اسی طرح اگر آپ نے قربانی کی بجائے نماز پڑھ لی تو نماز سے عاجزی اور بندگی کا تقویٰ تو ملا مگر قربانی کا تو نہ ملا پس اگر کوئی شخص قربانی نہ کرے اور صدقہ دیدے تو قیامت کے روز اس کو اس صدقہ کا ثواب مل جائے گا۔ مگر قربانی کا مطالبہ باقی رہے گا۔ اور یہ سوال ہوگا کہ قربانی کیوں نہیں کی۔ بالکل اسی طرح جیسے کوئی نماز تو پڑھتا رہا۔ اور روزہ نہ رکھا تو روزہ کا مطالبہ ہوگا کہ کیوں نہ رکھا تھا ـــــــ (انتخاب از "مسئلہ قربانی" وعظ)

آج کے دن دنیا کے تقریباً ایک ارب مسلمان جب قربانی دیتے ہیں تو اسی نکتہ پر غور کرنا اور اسی حکمت کو ملاحظہ رکھنا ہے کہ ہم اپنے جد امجد حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی سنت تازہ کر رہے ہیں، اور ایک سبق دہراتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا سبق ہے ہم اور آپ بھی ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں، ایمان کو ہم نے بس یہی سمجھ رکھا ہے۔ کہ مسلمان کے گھر پیدا ہوئے تو مسلمان ہیں۔ اور بس جیسا کہ بیری کا تخم بویا تو بیری نکلے گی ببکر کا تخم بویا تو ببکر اسی طرح بس مسلمانوں کے گھر پیدا ہوئے تو مسلمان ہوئے حالانکہ اسلام نام عمل واخلاق کا ہے۔ اسکا اپنا ایک معاشرہ ہے الگ عقائد ہیں۔ وہ ایک خاص تہذیب دنیا میں پھیلاتا ہے۔ جسکی بنیاد آخرت اور ایمان باللہ پر ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے قربانی سے ہمیں یہ درس دیا کہ اللہ کی راہ میں جان ومال، عزت وآبرو اور اولاد تک قربان کرنے کیلئے تیار رہیں۔ چنانچہ قربانی جان کے بدلے جان کا فدیہ ہے۔ قربانی کرتے ہوئے ہم صدق دل سے اپنے مولیٰ کے سامنے اقرار کرتے ہیں۔ کہ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین میری نماز (عبادت) قربانی۔ زندگی اور موت (سب کچھ) اللہ کیلئے ہے جو پالنے والا ہے تمام مخلوقات کا ـــــــ قربانی کا سبق ہے کہ اگر ضرورت پڑے تو ہم اپنا خون بھی راہ خدا اور اس کے دین کیلئے بہائیں۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ

اقتباس از وعظ عیدگاہ۔ اکوڑہ۔ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ

دارالافتاء دارالعلوم حقانیہ
مرتب ۔ مولانا سمیع الحق

قربانی اور مسائل عید قربان

قربانی اور قرآن

قربانی اسلام کی مہتم بالشان عبادت ہے۔ اس کا اندازہ اس سے لگتا ہے کہ قرآن مجید میں کئی مرتبہ (آٹھ سورتوں میں) خداوند کریم نے قربانی اور متعلقات قربانی اس کی اہمیت اور اس کی حکمت اور فلسفہ مختلف امتوں میں اس کی شکل وصورت پر روشنی ڈالی ہے۔ اور امتہ مسلمہ ملت ابراہیمی کے لئے اسے دینی شعار اور امتیازی نشان قرار دیا ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۔ — اور ہم نے ہر امت کیلئے قربانی مقرر کی تاکہ وہ اللہ کے دئے گئے مویشیوں پر اس کا نام بلند کریں۔

جیساکہ خود آیت سے واضح ہے۔ یہاں منسک سے مراد ذبح کرنا (قربانی دینا) ہے۔ محققین اور تمام اکابر محقق مفسرین نے اس کی تصریح کی ہے۔ (قرطبی مراح للبودیؒ ، فتح القدیر شوکانی وغیرہ۔)

قربانی کی حکمت اور فوائد کے بارہ میں ارشاد ربانی ہے:

لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَٰكِن يَنَالُهُ التَّقْوَىٰ مِنكُمْ ۔ — اللہ تعالیٰ کے ہاں قربانی کا گوشت پوست اور خون نہیں پہنچتا۔ مگر اس کے ہاں تمہارا تقویٰ پہنچتا ہے۔

سورۃ کوثر میں واضح اور قطعی حکم ہے:

فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۔ (کوثر پ۳۰) — اپنے رب کے لئے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔

قربانی اور حدیث

۱۔ عن ابن عمرؓ قال اقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالمدینۃ عشر سنین یضحی۔ (مسند امام احمدؒ ۔ ترمذی) ترجمہ:۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم دس برس تک مدینہ میں رہے اور برابر قربانی کرتے رہے۔

۲۔ حضرت ابن عمرؓ ہی سے روایت ہے۔ کہ عید قربان کے دن حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں اونٹ یا کسی دوسرے جانور کی قربانی کرتے۔ (مسند احمد و نسائی)

۳۔ حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ حضور اقدسؐ نے مدینہ میں دو گندم گوں رنگ

کے مینڈھے قربانی کئے۔ (بخاری نیز کتاب اختلاف الحدیث للشافعیؒ علی الأم ج ، ص ۲۸)

۴۔ بخاری شریف میں ہے کہ حضورؐ نے ازواج مطہراتؓ کی طرف سے گائے کی قربانی دی۔

۵۔ حضورؐ نے فرمایا کہ ہر صاحب وسعت پر سال بھر میں ایک قربانی واجب ہے۔ (ابن ماجہ ص۲۲۶)

۶۔ حضورؐ نے فرمایا جس شخص نے استطاعت کے باوجود قربانی نہ دی۔ وہ ہماری عیدگاہ کے قریب نہ آئے۔ (بخاری ، ابن ماجہ ، مستدرک)

۷۔ حضور اکرمؐ سے صحابہ کرامؓ نے پوچھا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں۔؟ تو فرمایا کہ تمہارے باپ حضرت ابراہیمؑ کی سنت (یادگار) ہے۔ (مشکوٰۃ ۔ ابن ماجہ وغیرہ)

۸۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں۔ کہ عید قربان کے دن ابن آدم کا کوئی عمل قربانی سے زیادہ اللہ تعالیٰ کو محبوب نہیں۔ قیامت کے دن قربانی کے سینگ ، بال ، سُم تک اعمال حسنہ کو بھاری کر دیں گے۔ اس کے خون کے قطرے زمین پر گرنے سے پہلے اللہ تعالیٰ کے ہاں مقبول ہو جاتے ہیں۔ تو طیب نفس (دل کی خوشی) سے قربانی کرتے رہو۔ (ترمذی ابن ماجہ)

۹۔ حضورؐ نے فرمایا اس کے ہر بال کے بدلے تمہارے لئے نیکی ہے۔ (احمد ابن ماجہ)

سبحان اللہ کیا ٹھکانا ہے رحمت خداوندی کا۔ کہ اتنی بڑی دولت میسر ہو اور پھر بھی مسلمان کوتاہی کرے۔ مومن کی شان تو یہ ہے۔ کہ قربانی اگر اس پر واجب نہ بھی ہو تب بھی ثواب ، اور نیکیوں کا یہ خزانہ ہاتھ سے نہ جانے دے۔

شرائط وجوب قربانی

قربانی واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں :۔ ۱۔ اسلام (غیر مسلم پر واجب نہیں) ۲۔ اقامت۔ (مسافر پر واجب نہیں) ۔

۳۔ حریت یعنی آزاد ہونا۔ (غلام پر واجب نہیں) اس کے لئے مرد ہونا شرط نہیں عورتوں پر بھی واجب ہے۔ نابالغ پر نہ خود واجب ہے۔ نہ اسکی طرف سے اس کے ولی پر واجب ہے ——— کذا فی ظاہر الروایۃ وبہ الفتوی۔ ۴۔ تونگری یعنی جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو۔ اس پر عید کے دن صدقۂ فطر اور قربانی واجب ہے۔ چاہے وہ مال تجارت ہو یا نہ ہو۔ اور چاہے اس پر سال پورا گذر چکا ہو یا نہ گزرا ہو۔ (بہشتی زیور)

قربانی کے جانور

اونٹ ، گائے ، بکری کے تمام انواع (نر ، مادہ خصی ، غیر خصی) کی قربانی ہو سکتی ہے۔ بھینس گائے میں شمار ہے۔ اور بھیڑ یا دنبہ بکری میں۔ گائے بھینس ، اونٹ میں سات آدمی بھی شرکت کر سکتے ہیں۔ جب کہ کسی کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو۔

اگر کسی گائے میں سات یا اس سے کم آدمی شریک ہوئے تو سب کی قربانی درست ہے۔ اور اگر آٹھ یا زیادہ ہوئے تو سب کی قربانی نہ ہوگی ——

جانور کی عمر اونٹ پانچ سال کا گائے بھینس دو سال کی، بکری ایک سال کی۔ اس سے کم عمر کی قربانی جائز نہیں۔ ہاں اگر دنبہ یا بھیڑ اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہوتا ہو تو چھ مہینے کے عمر والے کی بھی درست ہے۔

کانے اور اندھے جانور کی قربانی جائز نہیں۔ اگر ایک کان تہائی یا تہائی سے زیادہ کٹ گیا۔ یا تہائی یا اس سے زیادہ دم کٹ گئی (یہ پیدائشی نہ ہوں) تو قربانی درست نہیں۔ اتنا لاغر جس کی ہڈیوں میں مغز نہ ہو، یا ایسا لنگڑا جو تین پاؤں سے چل سکتا ہے، چوتھا پاؤں نہیں رکھ سکتا یا اس سے چل نہیں سکتا اس کی قربانی درست نہیں جس کے سارے یا آدھے سے زیادہ دانت نہ ہوں۔ اسکی قربانی بھی جائز نہیں۔ جس جانور کے پیدائشی سینگ نہ ہوں، یا ٹوٹ گئے ہوں۔ مگر جڑیں سالم نہ ہوں یا خصی ہو اسکی قربانی درست ہے۔

خنثیٰ جانور جس میں نر و مادہ دونوں کی علامتیں ہوں اور جلالہ جو صرف غلیظ کھاتا ہو یا جسکی ٹانگ کٹی ہو اس کی قربانی جائز نہیں۔

اگر جانور خریدنے کے بعد ایسا کوئی عیب پیدا ہو تو اس کے بدلے دوسرا خرید لے۔ ہاں اگر غریب آدمی ہو جس پر واجب نہ ہو تو اس کے واسطے درست ہے کہ وہی قربانی کر دے۔

قربانی کے اوقات

مسئلہ —— قربانی کا وقت بقرعید کے ۱۰ تاریخ کے طلوع صبح صادق سے بارھویں کے غروب آفتاب تک ہے۔ پہلا دن دسویں ذالحجہ سب سے افضل ہے۔ پھر گیارھویں پھر بارھویں کا درجہ ہے۔

مسئلہ —— بقرعید کی نماز سے پہلے قربانی درست نہیں۔ ہاں دیہات یا قصبوں والے جہاں نماز عید نہ ہوتی ہو۔ نماز فجر کے بعد قربانی کر سکتے ہیں۔

مسئلہ —— رات کو ذبح کرنا بہتر نہیں۔ شاید اندھیرے میں کوئی رگ نہ کٹے اور قربانی درست نہ ہو —— (بہشتی زیور)

مسئلہ —— اگر بارھویں کے غروب سے پہلے مقیم ہوا یا تونگر ہوا تو قربانی کرنا واجب ہے۔

مسئلہ —— قربانی کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا اولیٰ ہے۔ ورنہ کسی اور سے بھی جائز ہے۔

مسئلہ — قربانی کے جانور کو قبلہ رخ لٹا کر پہلے یہ دعا پڑھے۔ انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العلمین لاشریک لہ وبذلک امرت وانا اول المسلمین اللھم منک ولک۔ پھر بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کرے اور ذبح کرنے کے بعد یہ دعا پڑھے۔ اللھم تقبلہ منی کما تقبلت من حبیبک محمد و خلیلک ابراھیم علیہما السلام۔ (بہشتی زیور)

مسئلہ — زبان سے نیت کرنا ضروری نہیں، دل کا ارادہ بھی کافی ہے۔

مسئلہ — کسی پر قربانی واجب تھی اور اس پر دن گذر گئے تو بھیڑ یا بکری کی قیمت دے دیوے اور اگر جانور خرید لیا تھا تو بعینہ وہی خیرات کر دے۔

گوشت اور کھال کا حکم

مسئلہ — قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے۔ اور اپنے خویش و اقارب، غنی و فقراء سب کو دے سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے۔ کہ کم از کم تہائی حصہ خیرات کر دے۔ اس سے کمی نہ کرے۔

مسئلہ — سات آدمی قربانی میں شریک ہوں تو گوشت اندازے سے نہ بانٹیں بلکہ صحیح تول کر تقسیم کر دیں۔ ورنہ گناہ ہوگا۔

مسئلہ — قربانی کی کھال یا اس کی قیمت خیرات کر دے اور ان لوگوں کو دے جو زکوٰۃ وصدقۂ فطر کے مستحق ہیں — قیمت میں جو پیسے ملیں وہی خیرات کر دیں۔ اگر تبدیل کر کے دے دئے تو بری بات ہے۔ مگر ادا ہو جاویں گے۔

مسئلہ — کھال کو اپنے کام میں بھی لا سکتا ہے۔ مثلاً اس سے رسی بنوائی یا چھلنی یا ڈول یا جائے نماز بنوائی — (بہشتی زیور)

مسئلہ — گوشت یا چربی یا چمڑا قصائی یا کسی اور کو تنخواہ یا مزدوری میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ — قربانی کی رسی جھول وغیرہ بھی خیرات کرنی چاہئے۔

مسئلہ — اگر اپنی خوشی سے کسی مردہ کے ثواب پہنچانے کے لئے قربانی کی تو اس کے گوشت میں سے کھانا یا کھلانا اور بانٹنا سب درست ہے جس طرح اپنی قربانی کا حکم ہے۔ (بہشتی زیور)

تکبیرات تشریق نویں ذالحجہ کی فجر سے تیرھویں کی عصر تک شہری مقیم کو ہر نماز پنجگانہ کے بعد جو جماعت مستحبہ کے ساتھ ادا کی گئی ہو ایک بار بلند آواز سے تکبیر کہنا

واجب ہے۔ اگر زیادہ کہے تو افضل ہے۔ اسے تکبیرِ تشریق کہتے ہیں۔ جو یہ ہے:

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔

عید کی سنتیں

حجامت بنوانا۔ غسل کرنا۔ اچھے سے اچھا لباس جو میسر ہو پہننا۔ سرمہ لگانا۔ میسر ہو تو خوشبو لگانا۔ اس عید میں نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھانا بلکہ افضل یہ ہے واپس آکر قربانی کرے۔ اس کا گوشت کھائے۔ اس عید میں عیدگاہ جاتے ہوئے باآواز بلند یہ تکبیر پڑھے:
اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد۔ عیدگاہ میں وقت سے پہلے جانا اور شروع صفوں میں بیٹھنے کی کوشش کرنا عیدگاہ سے واپسی پر جس راستے سے گیا تھا دوسرے راستے سے واپس آنا۔

نمازِ عید کی نیت

دو رکعت نماز عید الضحیٰ مع چھ تکبیرات واجب کے۔ بندگی اللہ تعالیٰ کی منہ قبلہ شریف کی طرف پیچھے اس امام کے۔

پہلی رکعت ثناء کے بعد سورۃ فاتحہ پڑھنے سے پہلے امام صاحب تین بار اللہ اکبر کہیں گے۔ مقتدی بھی اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں پہلی دو بار تکبیر کہہ کر ہاتھ چھوڑ دیں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں اور حسبِ معمول امام صاحب کے ساتھ رکعت پوری کریں۔ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ اور قرأت کے بعد رکوع میں جانے سے پہلے تین بار تکبیرات کہیں گے حسبِ سابق اللہ اکبر کہتے ہوئے کانوں تک ہاتھ اٹھائیں اور چھوڑ دیں۔ چوتھی بار اللہ اکبر کہہ کر رکوع میں چلے جائیں۔

خطبہ

نمازِ عید کے بعد خطبہ ہوگا جس کا سننا واجب ہے۔ کچھ لوگ خطبہ ختم ہونے سے پہلے عیدگاہ سے چلے جاتے ہیں۔ خواہ خطیب کی آواز آئے یا نہ آئے خطبہ ختم ہونے تک اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔

دعائے مغفرت

۱۵ رمضان کو جناب حافظ حبیب الرحمٰن صاحب، جناب سلیمان صاحب آئس فیکٹری ساہیوال جناب محمد صدیق، محمد یحییٰ صاحبان کاٹن فیکٹری اوکاڑہ کی نانی صاحبہ کا انتقال ہوا۔ مذکورہ برادران ایک علم دوست مرحوم والد کے اخلاف رشید ہیں۔ دارالعلوم کے ساتھ ان کی خصوصی عنایات ہیں۔ مرحومہ مغفورہ بھی سارے خاندان کی طرح بڑی خوبیوں کی مالکہ تھیں اور دہلی کے کوچہ چیلان میں مولانا احمد سعید مرحوم کے مکان کے بالمقابل ان کی رہائش رہی حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی اور مفتی کفایت اللہ وغیرہ اکابر اسی کوچہ میں سکونت پذیر تھے۔ مرحومہ کا وصال سو سال سے زائد عمر میں ہوا۔ حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ نے ۱۶ رمضان کو نمازِ جنازہ پڑھائی اور رفع درجات و مغفرت اور پسماندگان کے صبر کیلئے دعائیں کیں۔ (سلطان محمود ناظم دفتر)

حقیقتِ عید — مرسلہ حضرت مولانا محمد صاحب انوری لائل پور

عیدِ مسلم

از افادات عالیہ حضرت شیخ الاسلام سید المحدثین مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ
(المتوفی صفر ۱۳۵۲ھ ـ مئی ۱۹۳۳ء)

علامہ جوہری طنطاوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کہ "حامد کی حمد اسکے علم کے اعتبار سے ہوتی ہے۔" اب اندازہ لگائیے کہ رب العالمین نے بھی قرآنِ عزیز میں اپنی حمد مختلف عنوانات سے فرمائی ہے۔ مخلوق کو تو اسکا تصور بھی نہیں ہو سکتا۔ ایک پیغمبر برحق حمد خدا کر سکتا ہے ایک امتی بھلا کیا مقابلہ کرے گا۔ جو علوم صحابہؓ کو عطا فرمائے گئے تھے اس لئے کہ وہ تو اذکیاء امت تھے جنکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی کیلئے منتخب فرمایا گیا۔ اگر وہ حمد باری عز اسمہٗ بیان کرینگے۔ تو انہی کی شانِ رفیع کے شایاں ہوگی۔ اسی طرح دیکھتے جائیے اب ہم تو سمجھے ہوئے ہیں۔ کہ عید کا دن ایک افضل دن ہے۔ سارے شہر کو باہر کھلے میدان میں نکل کر شکر کے دو نفل ادا کرنے چاہئیں۔ لیکن حجۃ الاسلام علامہ سیدنا حضرت محمد انور شاہ صاحب فرماتے ہیں۔ کہ عید مسلم تبلیغ کا دن ہے۔ ولتکبروا اللہ علیٰ ما ھداکم ولعلکم تشکرون۔ یہ تکبیرات تشریق بھی اسکی کبریائی کی تبلیغ ہے۔ ہر شخص جو تکبیر کہتا ہے۔ اسکی کبریائی کی تبلیغ کرتا ہے۔ حتیٰ کہ ابو جعفر فرماتے ہیں۔ کہ عوام اگر جوق در جوق بازاروں میں تکبیرات کہتے پھریں تو منع نہ کرنا چاہئے۔ کہ عوام میں ترغیب ہوتی ہے۔ یہ حضرت شاہ صاحب کا مضمون اسلام کے تمام شعبوں کو حاوی ہے۔ جتنا جتنا غور کرتے جائیں گے آپ پر منکشف ہوتا جائے گا۔ فروع، عقائد، تاریخ، سیر، احکام سبھی پر بصیرت افروز، مبصرانہ اور ناقدانہ تحقیقی بحث فرمائی ہے۔ ضرورت ہے کہ ایسے مضامین کی تلاش کر کے خوب اشاعت کی جائے کہ یہ تبرک حضرت شاہ صاحب کے قلم سے نکلا ہے۔ ایک حضرت شاہ صاحب کی تحریر مہاجر دیوبند ۱۹۲۰ء میں الصوعد لی دانا اجزی مہ پر شائع ہوئی تھی۔ افسوس کہ ہمارے پاس محفوظ تھی لیکن ۱۹۴۷ء کے خونی ہنگامہ

میں جب ہم رائفلوں کے سائے میں نکالے گئے تو احقر کی کتابوں کے ساتھ ہی رائے کوٹ ضلع لدھیانہ رہ گئی۔ حضرت کی سیرت پاک بھی لکھی ہوئی غیر مطبوعہ تھی۔ بہت سے خطوط مولانا سلیمان برادر خورد حضرت شاہ صاحب کے تھے۔ اب اس تبرک النوری کی اشاعت کی سعادت الحق میں حاصل کر رہے ہیں۔ کہ اس کا افادہ عام ہو جائے شاید کہ ہمارے لئے ذخیرہ عقبیٰ ثابت ہو۔ آمین۔

حسن عفا اللہ عنہ

عید خوشی اور مسرت کا نام ہے۔ اور اہلِ دنیا کے نزدیک ہر قسم کا سرور و انبساط اور ہر طرح کی فرحت و ابتہاج عید کے مترادف ہے۔ لیکن شریعتِ مقدسہ اور ملتِ بیضاء کی نظر میں عید اس مسرت و خوشی کو کہتے ہیں۔ جو نعمائے ربانی اور کرمہائے الہٰی کے شکر اور اس کے فضل وجود پر ادائے نیاز کیلئے کی جاتی ہے۔ دنیا خود فانی ہے اور اس کے تمام باغ و بہار فانی۔ پھر اس پر کیا مسرت و انبساط جس سرور کے بعد غم ہو اور جس خوشی کے بعد رنج ہو تو ایسے سرور و خوشی کو عید کہنا ہی غلط ہے اس لئے قرآن عزیز نے ارشاد فرمایا ہے، لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ ۔ عید کی حقیقتِ اصلیہ اور اس کا صحیح مفہوم اس دائمی سرور اور ابدی و سرمدی مسرت میں مضمر ہے جسکی نسبت اور جس کا تعلق خود ذات احدیت اور بارگاہ صمدیت سے وابستہ ہے۔ منعم حقیقی کا انعام ابدی ہے۔ اور اس کا فضل و احسان سرمدی لہٰذا اس پر مسرت و فرحت اور خوشی و انبساط بجا اور اسی عید کو عید کہنا صحیح اور درست ہے۔ اسی کو رب العالمین نے معجزانہ انداز میں اس طرح فرمایا ہے، قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ۔ یعنی خوشی و مسرت در حقیقت خدائے قدوس کی رحمت اور اس کے فضل ہی پر کرنا چاہئے۔

عید الٰہی

حقیقت بین نظریں اور پراز معرفت نگاہیں اس حکمتِ ربانی سے بے خبر نہیں ہیں کہ عالم تشریعی کی اساس کہ جس کو عالم اوامر و نواہی کہنا بہتر ہے۔ بہت عالم تکوینی کے مظاہر و شواہد پر قائم کی گئی ہے۔ تاکہ عالم تکلیف میں اعمال و افعال کیلئے نظائر و امثال قائم ہو سکیں اور جن و انسان کو مرضیات باری اور غیر مرضیات پر کاربند ہونے میں آسانی ہو سکے اسی اصل کے ماتحت اور اسی اساس کے زیرِ عنوان عید بھی ہے۔

عالم تکوین کی ابتداء اور اس کے منصہ شہود میں آنے کے متعلق قرآن عزیز نے جو رہنمائی کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خدائے قدوس نے عالم انسانی کو درجہ بدرجہ ترقی کرنے اور تاریخ کو ملحوظ رکھنے کی ہدایت و تعلیم دینے کیلئے ہمارے فہم کے مطابق اس طرح فرمایا کہ ہم نے ارض و سماوات اور کائناتِ عالم کو چھ روز میں پیدا کیا۔ اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى

علے العرش - اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے۔ کہ ہفتہ کی موجودہ نوعیت اور اسکی طرح روز شماری بھی اسی تکوینِ عالم سے اخذ کی گئی ——— چند روز عالم کی تخلیق میں صرف کرنے کے بعد اس کے سالگرہ منانے اور خوشی کا اظہار کرنے کے لئے رب العزت نے ساتواں روز عید اور تعطیل کا مقرر فرمایا اور ان کو ان اعجازی کلمات میں ارشاد فرمایا ثم استویٰ علے العرش -

استویٰ علی العرش کی مقامی توجیہ اس جگہ یہ خیال پیدا ہونا قدرتی امر ہے کہ استویٰ علی العرش سے کیا مراد ہے اور اس کے معنی کیا ہیں۔ اس کے متعلق تفصیلی معلومات کیلئے محققین کی تفاسیر کی طرف مراجعت ضروری ہے۔ کیونکہ یہ انہیں امور متشابہات میں سے ہے جن کے متعلق سلف صالحین کا صاف اور سادہ عقیدہ یہ رہا ہے۔ کہ اَلْاِسْتِوَاءُ مَعْلُوْمٌ وَالْكَيْفِيَّةُ مَجْهُوْلَةٌ - یعنی نفس مسئلہ تو ہم کو معلوم ہے لیکن اسکی حقیقت اور کیفیت ہم سے پوشیدہ اور نامعلوم ہے۔ لیکن علمائے متاخرین کی جائز اور حدود شرعی کے ماتحت صحیح توجیہات و اقوال کی طرف اگر نظر کی جائے جو انہوں نے قلوب عامہ کے وساوس اور ملحدین و فلاسفہ کے زیغ کو دیکھ کر کی ہیں تو اس مسئلہ میں ان کے اقوال بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اور انہوں نے اس معجز کلمہ کی تحقیقات کے مطابق بہت زیادہ کاوش سے کام لیا ہے اور اپنی اپنی استعداد و عقل سلیم کے مطابق بہت کچھ جدوجہد کی ہے۔ مناسب مقام اسکے معنیٰ یوں سمجھنے چاہئیں کہ رب العالمین نے جب ارض و سماوات کو چھ روز میں پیدا کر دیا تو پھر اس نے ساتویں روز اس طرح عید منائی کہ اس نے تمام کائنات پر اپنی قدرتِ عامہ اور شاہنشاہیت کے استیلاء و غلبہ کا اظہار فرمایا اور تمام عالم اسکے حیطۂ اقتدار میں محیط ہو گیا۔ کیونکہ عرش پر اس کا استیلاء اور غلبہ جو کہ خود تمام ارض و سماوات کو حاوی ہے۔ اسکی لامحدود قوت و سطوت کا اظہار کرتا ہے ———

ایک حدیثی نکتہ تخلیقِ عالم اور عیدِ الٰہی کی اس آیت کے بارہ میں بعض محققین سخت تردد میں پڑ گئے ہیں جس کا مبنیٰ یہ ہے کہ قرآنِ عزیز نے تخلیق ارض و سمٰوات مدت ستۃ ایام چھ روز قرار دی ہے۔ اور صحاح کی بعض روایات میں ہے کہ خدائے قدوس نے حضرت آدم علیہ السلام کو جمعہ کے روز پیدا کیا۔ پس اگر تخلیق عالم کی ابتداء ہفتہ کے روز سے مانی جائے تو پھر پورا ہفتہ تخلیق ہی میں محیط ہو جاتا ہے۔ اور تعطیل استواء علی العرش کے لئے کوئی دن باقی نہیں رہتا۔ لہٰذا کوئی صورت ایسی سمجھ میں نہیں آتی کہ حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق جمعہ کے روز مان کر ستۃ ایام کو صحیح باقی رکھا جا سکے اور استواء کیلئے ایک روز فاضل نکالا جا سکے۔ اس اشکال کے پیدا ہو جانے

کی وجہ صرف یہ ہے کہ ان محدثین و محققین نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی حدیث میں جو جمعہ کا دن ہے۔ اس کو اپنے خیال میں اسی سلسلہ میں منسلک سمجھ لیا ہے جس میں کہ تخلیق ارض و سماوات ہوئی ہے۔ حالانکہ اصل واقعہ یہ ہے۔ کہ آدم علیہ السلام کی تخلیق اگرچہ جمعہ کے روز ہی ہوئی ہے۔ لیکن یہ جمعہ وہ جمعہ نہ تھا جو ستۃ ایام کے تذکرہ کے بعد آتا تھا۔ بلکہ ایک عرصہ مدیدہ کے بعد حق تعالیٰ نے کسی ایک جمعہ میں آدم علیہ السلام کو پیدا کیا۔ اور تخلیق ارض و سماوات کے متصل جو جمعہ آتا تھا وہی درحقیقت استواء علی العرش اور عید الٰہی کا روز ہے۔ جن حضرات کی نظر احادیث کے ذخیرہ کی طرف کافی اور دقیق ہے۔ ان کیلئے ہماری یہ توجیہ اصل حقیقت کی نقاب کشائی کیلئے کافی و وافی ہے۔

یوم سبت کی تحقیق

اس ہی اشکال کے سلسلہ کی ایک کڑی یوم سبت کی تعیین و تحقیق ہے۔ تورات سے معلوم ہوتا ہے کہ یوم السبت ہفتہ کا نام ہے اور نصاریٰ کے عقیدہ میں یوم السبت اتوار ہے۔ اور چونکہ عبرانی زبان میں سبت کے معنی تعطیل کے آتے ہیں۔ اس لئے خود علمائے اسلام کو بھی اسکی تعیین میں مشکلات پیش آئی ہیں۔ اس لئے کہ مسلمانوں کے عقیدہ میں تو تعطیل کا دن جمعہ ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ جیسے محدث و محقق بھی اس مسئلہ میں متردد ہیں۔ اور وہ بھی اسی کے قائل ہو گئے ہیں۔ کہ یوم السبت ہفتہ کے ہی دن کا نام ہے۔ اس اشکال کو اس سے اور بھی زیادہ تقویت ہو جاتی ہے۔ کہ خود عربی زبان میں یوم السبت ہفتہ کے روز کو کہتے ہیں۔

لیکن ان کی نظر شاید اس پر نہیں گئی کہ اہل عرب کے دور جہالت میں دنوں کے نام یہ نہ تھے جو کہ اب ان کے یہاں مستعمل ہیں۔ کتب تاریخ میں ان کا ذکر موجود ہے۔ موجودہ نام دراصل یہود کے ایجاد کردہ ہیں۔ اور وہی اس کے واضع ہیں۔ چنانچہ کتب تاریخ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اہل عرب جمعہ کو عروبہ کہتے تھے۔ عروبہ عبرانی کا لفظ ہے جس کا مفہوم وہی ہے جو ہماری زبان میں عرفہ کا ہے۔ اردو زبان میں عرفہ ہر اسلامی تہوار سے ایک روز قبل کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ بعینہٖ یہی مفہوم یہود عروبہ کا سمجھتے تھے۔ اور چونکہ وہ ہفتہ کے دن کو یوم تعطیل مانتے تھے۔ اس لئے جمعہ کو عروبہ کہا کرتے تھے۔ عروبہ کے استعمال نے مسلمانوں میں بھی رواج پایا اور اس کو اس قدر وسعت ہوئی کہ بعض احادیث میں بھی یہ لفظ پایا جاتا ہے۔ بہرحال جبکہ ہفتہ کے موجودہ نام یہود سے لئے گئے ہیں تو لازمی تھا کہ وہ سبت ہفتہ کے دن کو مانیں اور اتوار کو اسی لئے انہوں نے یوم الاحد یعنی پہلا روز مانا۔ یہی استعمال اور محاورہ علمائے اسلام کیلئے بھی اس کا باعث بنا کہ انہوں نے

سنیچر کو ہی یوم السبت قرار دیا اور جمعہ کی فضیلت کو صرف عہد اسلامی ہی سے شروع سمجھا لیکن ہمارے نزدیک یہ قول صحیح نہیں ہے۔ اور خلاف تحقیق ہے۔ اس لئے کہ مسند امام شافعیؒ کی روایت میں مذکور ہے۔ کہ استوار علی العرش جمعہ کے روز ہوا ہے۔ اور مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ تخلیق عالم کی ابتدار ہفتہ کے روز یعنی سنیچر کے دن سے ہوئی ہے۔ لہٰذا ان دونوں روایتوں کی بنار پر ہم کو ماننا پڑتا ہے کہ جب تعطیل کا دن جمعہ کا دن تھا اور آغاز تخلیق سنیچر یعنی ہفتہ کو ہوئی تو یقیناً اور بلاشک وشبہ یوم السبت جمعہ ہی کا نام ہے۔ اتوار یا ہفتہ کو سبت کہنا کسی طرح درست نہیں ہے اور اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جمعہ کا شرف عہد اسلامی ہی سے نہیں ہے۔ بلکہ آغاز تخلیق عالم سے ہی وہ مشرف و معزز ہو رہا ہے۔ کیونکہ اس دن ہی رب العٰلمین کے استوار علی العرش کی عید تھی۔۔۔۔

انتخاب جمعہ کی حدیث معہ توجیہات

البتہ اس شرف سے مشرف ہونے اور اس بزرگ دن کی عظمت حاصل کرنے میں امت مرحومہ کا بھی نصیب زبردست تھا۔ اور ان ہی کی قسمت یاور تھی جو ان کو اس دن عید منانے کی ہدایت ہوئی۔ چنانچہ صحاح کی حدیث میں آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا ہمارے لئے جمعہ کے دن کو اور ٹال دیا اس کو دوسری امتوں سے پس نصاریٰ نے اتوار اور یہود نے ہفتہ کو پسند کیا اور اس کو تعطیل کا دن دیا۔

اس حدیث میں اس شک کو زائل کرنے کیلئے کہ رب العالمین نے کیوں دوسری امم کو اس شرف سے محروم رکھا۔ محدثین نے دو توجیہات کی ہیں۔ بعض نے یہ کہا ہے۔ کہ دراصل انتخاب یوم تعطیل و یوم عید حق تعالیٰ نے اجتہاد پر رکھا تھا۔ پس امم سابقہ کا اجتہاد اس برکت کو نہ پا سکا جبکو امت محمدیہؐ نے حاصل کر لیا۔ اور بعض محدثین یہ فرماتے ہیں۔ کہ اول تمام امم پر جمعہ کا دن ہی پیش کیا گیا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اپنی مصلحتوں اور طبعی رغبتوں کی بنا پر اس دن کو پسند نہ کیا اور اپنے زمانہ کے انبیار علیہم السلام کو اس بارہ میں تنگ کیا کہ وہ خدا کو کہہ کر اس دن کو یوم تعطیل نہ رہنے دیں۔ اس لئے وہ اس جنگ وجدل کی بنا پر اس نعمت سے محروم کر دیئے گئے اور بالآخر امت مرحومہ کے حصہ ہی میں یہ شرف آنا تھا سو آگیا۔ اور جمعہ کا دن ان کے ہفتہ کی عید قرار پایا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء۔ خدائے برتر کا فضل اور اس کا احسان ہے۔ بطفیل خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم آج تک اسلام میں ہفتہ عید نہایت شان وشوکت سے منایا جاتا ہے۔ اور عید الٰہی کے باغ اور اسکی بارگاہ میں ہر ایک مسلمان اس کی شرکت کو اپنے لئے فریضہ ربانی سمجھتا اور سعادت دارین کا وسیلہ جانتا ہے۔۔۔۔

ایّام ربّانی کی تحدید

یہاں یہ بات بھی ذکر کردینا دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آیت قرآنی میں جو ستّۃ ایام کا ذکر کیا ہے۔ آیا ان ایام کی مقدار ایام معمولہ ہی کے موافق تھی یا اس سے زائد ــــ؟ یہ ایک سوال ہے جس کے متعلق محدثین و صوفیائے کرام دونوں نے قلم اٹھائے ہیں۔ اور خوب بحثیں کی ہیں۔ اہل عقل و دانش کے نزدیک یہ چیز حیرت انگیز نہیں ہے۔ اسلئے کہ وہ درگاہ صمدیت و بارگاہ احدیت تو حقیقتاً زمانہ اور اس کی مقدار سے وراء الوراء ہے۔ اور اس جگہ تو زمانہ کا تخیل بھی نسیاً منسیا ہے۔ کیونکہ زمانہ تو مقدار حرکت کا نام ہے اور حرکت سکون کی نسبت انہیں اجرام و اجسام کی طرف کی جاسکتی ہے۔ جو ان کا محتاج ہو لیکن خالق حرکت و سکون اور مکوّن زمانہ اور زمانیات کو ان فانی اور ناقص اشیاء سے کیا سروکار تعالیٰ اللہ علواً کبیرا۔ لہٰذا قرآن عزیز میں جو اس مقام پر ایام کا کلمہ استعمال کیا گیا ہے وہ صرف ہماری عقول ناقصہ اور فہوم کاسدہ کی تفہیم کیلئے ہے۔ اسی لئے اسکی نوعیت پر بحثیں پیدا ہو گئی ہیں۔ بعض محققین و محدثین کا خیال ہے کہ یہ ایام ایام معمولہ ہی کی طرح تھے نہ زیادہ اور نہ کم اور بعض یہ فرماتے ہیں۔ کہ ان ایام میں ہر دن ایک ہزار سال کی مقدار رکھتا تھا۔ شیخ اکبرؒ نے بھی اسماء حسنیٰ کے ماتحت ایام کی کچھ تحدید فرمائی۔ چنانچہ اس موقعہ پر لکھتے ہیں کہ یوم ربوبی ایک ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ وان یوماً عند ربک کالف سنۃ مما تعدّون۔

یوم ربوبی کا ایک نکتہ لطیف

اسی لئے بعض علماء اور صوفیاء کا یہ خیال ہے کہ دنیائے انسانی کی عمر سات ہزار سال کی ہے۔ کیونکہ سات ہی روز اسکی تخلیق اور اس پر عمل کے گزرے ہیں۔ اور اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ادیان ترقی پذیر کا عہد مبارک ہزار ہزار سال کا ہوتا آیا ہے۔ چنانچہ ساتویں ہزار کی ابتداء میں خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور ان کے مذہب میں اعلیٰ اور بے نظیر ترقی بھی ایک ہزار سال رہی اور اس کے بعد اس میں انحطاط شروع ہو گیا جسکی انتہا وجود قیامت پر ہو گی اور یہ سب کرشمے ایام ربوبیت ہی کے ہیں ــــ یہی وجہ ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ اب تک اس کے منتظر ہیں۔ کہ نبی آخرالزماں ساتویں ہزار میں آئے گا اور اس پر ایمان لائیں گے۔ لیکن چونکہ بائبل کے کل نسخہ کے بارے میں یہود و نصاریٰ کو اختلاف ہے۔ اس لئے وہ اس صحیح حساب کی تشخیص نہ کر سکے اور نبی آخرالزماں پر ایمان نہ لائے۔

بائبل کے نسخوں میں قدیم زمانہ کے یونانی نسخہ پر اعتماد تھا۔ لیکن جب اس کا حساب، صحیح نہ اترا تو اس کے ساقط کر کے عبرانی نسخہ کو ترجیح دی۔ لیکن افسوس کہ وہ بھی صحیح رہنمائی نہ کر سکا۔ اور یہ قوم اس بارہ میں خاسر ہی رہی ــــ

بنی اسرائیل کی عید یوم عاشورہ

ایک ہفتہ کی عید کے علاوہ ادیان سماویہ میں سالانہ عید منانے کا بھی دستور قدیم سے قائم ہے۔ اور ہر عید کسی خاص حکمت پر مبنی ہے۔ اور کسی نہ کسی رحمت و فضل الٰہی کے ادائے تشکر میں اس کا راز مضمر ہے۔ اور ہمیشہ اس کا وجود بندگان خدا کے لئے سعادت دارین کا وسیلہ بنتا رہا ہے۔ تاریخ کے اوراق اس حقیقت ثابتہ کا آج تک اعلان کر رہے ہیں۔ کہ ایک زمانہ وہ بھی تھا کہ صدیوں تک قبطیوں کے ہاتھوں مظلوم بنی اسرائیل طوق و سلاسل اور غلامی میں گرفتار رہے اور فراعنہ مصر کی تمام ذلتوں اور رسوائیوں کو جبراً و قہراً سہا کئے۔ لیکن ظلم و عدوان اور غرور و نخوت کا مظاہرہ ہمیشہ قائم نہیں رہتا اور انانیت و کبر ہمیشہ باقی نہ رہ سکا۔ چنانچہ بنی اسرائیل کیلئے بھی فطرت نے وہ وقت مہیا کر دیا کہ جس میں ان کی خواریوں اور ذلتوں کا خاتمہ ہوا۔ اور غلامی کی لعنت سے ان کو ہمیشہ کیلئے نجات ملی۔ اور بحر قلزم کی موجوں نے اس ہیبت ناک مظاہرہ کا منٹوں میں اس طرح خاتمہ کر دیا کہ عبد صالح موسیٰ علیہ السلام مع اپنی قوم کے تشرین اولیٰ میں قلزم سے پار ہو گئے اور خدائی کا جھوٹا مدعی فرعون اپنی فرعونیت کے لشکر سمیت قلزم کی تہ میں فنا ہو گیا۔ انعام خداوندی کا یہی کرشمہ تھا جو بنی اسرائیل پر اس طرح جلوہ نما ہوا اور اس ہی کی بارگاہ کے لئے یوم عاشورہ کی عید ان کے مذہبی رسوم میں داخل کی گئی تاکہ اس دن میں روزہ رکھ کر بنی اسرائیل نیاز مندی کے ساتھ ادائے شکر کا اظہار کریں۔ اور اس روز مسرت و شادمانی کے ساتھ خدائے قدوس کے دربار میں سر نیاز جھکائیں۔

عاشورہ کی تحقیق اور ایک حدیث کی توضیح

لیکن اس مقام پر خود بخود اہل علم کے دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ تشرین اولیٰ یہود کے مقرر کردہ مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہے جو شمسی نظام پر قائم کئے گئے ہیں۔ لہٰذا اس کا تطابق ماہ محرم الحرام سے جو قمری حساب کے مہینوں میں سال کا پہلا مہینہ ہو سکتا ہے۔ کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ پھر ہمارے یہاں ۱۰ محرم الحرام کو عاشورہ کا ہونا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے۔

دوسرا امر یہ بھی قابل لحاظ ہے کہ معجم طبرانی کی حدیث میں آیا ہے۔ کہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم جس روز ہجرت کر کے مدینہ طیبہ میں داخل ہوئے ہیں۔ اس دن یہود عاشورہ کی عید منا رہے تھے اور روزہ دار تھے۔ آپ نے ارشاد فرمایا! ہم یہود سے زیادہ مستحق ہیں۔ کہ حضرت موسیٰؑ اور ان کی قوم کی رستگاری پر خوشی کریں اور شکر الٰہی بجا لائیں۔ لہٰذا تم میں سے جس شخص نے ابھی کھایا پیا نہ ہو وہ روزہ رکھ لے اور جو کھا پی چکے ہیں وہ اس وقت سے روزہ داروں کی طرح کھانے پینے سے باز رہیں حالانکہ

یہ امر محقق ہے۔ کہ مدینہ طیبہ میں داخلہ ربیع الاول میں ہوا ہے۔ تو پھر کس طرح یوم عاشورہ ۱۰ محرم الحرام کو صحیح ہو سکتا ہے۔ ۔۔۔۔۔ لیکن کتب تاریخ پر نظر رکھنے والے اصحاب کو اس اشکال کے حل کرنے میں چنداں دشواری نہیں ہے۔ اس لئے کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہود کی مدینہ میں دو قسم کی جماعت تھیں۔ ایک جماعت اپنے مہینوں کا حساب نظام شمسی ہی کے ماتحت رکھتی تھی۔ اور عاشورہ کو اسی اصول پر مناتی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے۔ کہ ربیع الاول میں جو عاشورہ کی تاریخیں اس مرتبہ آکر پڑیں، وہ اسی نظام کے ماتحت تھیں۔ دوسری جماعت وہ تھی جس نے یہ دیکھ کر کہ مسلمان قمری حساب سے اپنا نظام قائم کرتے ہیں۔ اور محرم الحرام کو سال کا پہلا مہینہ قرار دیتے ہیں۔ اس لئے وہ مسلمانوں سے توافق پیدا کرنے کیلئے اپنی عید عاشورہ کو تشرین اول سے منتقل کر کے محرم الحرام کی ۱۰ تاریخ میں لے آئے۔ پھر یہی طریقہ جاری ہو گیا۔ تیسری جماعت یہود کی اور بھی تھی جو اپنے نظام پر عاشورہ مناتی تھی۔ اور محرم الحرام کی تاریخ میں بھی عید عاشورہ قائم کرتی تھی اس وجہ سے یہ اشکال زیادہ اعتنا کے قابل نہیں۔

عید رمضان

جس طرح بنی اسرائیل کیلئے ان کی رستگاری کی یادگار میں عاشورہ کی عید مقرر ہوئی۔ اس طرح امت مرحومہ کیلئے بھی سال میں دو مرتبہ رحمت و فضل خداوندی کے اظہار کی خاطر عید منانے کا حکم دیا گیا۔ جس میں سے ایک عید الفطر یا عید رمضان ہے۔ یہ امر روز روشن سے بھی زیادہ واضح ہے کہ رمضان کی فضیلت کا تمام دار و مدار اور اسکی تمام اساس قرآن و حدیث رسول پر مبنی ہے ۔۔۔۔۔

رمضان میں قرآن عزیز کا لوح محفوظ سے بیت العزت میں نازل ہونا ہی وہ فضل و رحمت الٰہی ہے جس کی وجہ سے رمضان کو یہ شرف عطا ہوا۔ شهر رمضان الذي انزل فيه القرآن هدى للناس وبينات من الهدى والفرقان ط (الی آخرہ) وہ قانون الٰہی جس نے تمام عالم کی ظلمت و تاریکی کو فنا کر کے ہدایت و رشد کی روشنی سے اس کو منور کر دیا۔ وہ کتاب ربانی جس کے فیض سے بھٹکے ہوؤں کو راہ ملی اور گمراہوں کو ہدایت حاصل ہوئی ۔۔۔۔۔ اور وہ قرآن عزیز جو حق و باطل کیلئے فیصلہ کن اور احکامات الٰہیہ کا آخری پیغام ہے۔ رمضان میں نازل ہوا اور اسکی برکت سے تمام عالم پر فضل خداوندی اور رحمت باری ہو گئی۔ پس جس شخص نے اس فیض سے حصہ پایا کامیاب ہوا اور جو محروم رہا محروم رہا ۔۔۔۔۔

روزہ کی فرضیت اس لئے قرار پائی کہ انسان اس روحانی فیض سے مستفیض ہو کر قرآن عزیز کی دائمی برکتوں سے مالا مال ہو سکے۔ لہٰذا نعمت و فضل کے ادائے شکر میں ختم مہینہ کے بعد اسلام

نے ایک دن خاص دعوت الٰہی کا مقرر کیا اور اس میں سب کو خداوند تعالیٰ کا مہمان خصوصی بنایا اور اس کا نام عید رکھا گیا۔

سعید ہیں وہ روحیں جنہوں نے رمضان کے برکات و انوار کو حاصل کیا۔ عید کی حقیقی و ابدی مسرت سے حصہ پایا اور منور ہیں وہ قلوب جنہوں نے ان کے فیض کو اپنی تہ میں جگہ دی۔ اور دائمی سرور و شادمانی سے بہرہ مند ہوئے۔ یہی شادمانی و سرور ہے جو اس خیر کثیر اور رشد و ہدایت کے سرچشمہ کے نزول میں باتباع لتکبروا اللہ علیٰ ما ھدٰکم۔ ہماری زبانوں سے اللہ اکبر اللہ اکبر لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر وللہ الحمد کہلاتا ہے۔

اتمام قرآن عزیز خدا کا آخری پیغام اور روحانیت کی یہ بینظیر مشعل ہدایت جس کی بدولت ہم کو دارین کی سعادت نصیب ہوئی تئیس سال تک برابر حصہ حصہ ہو کر نازل ہوتا رہا اور اپنے انوار و تجلیات سے ہر شخص کو اسکی استعداد کے مطابق فیضیاب کرتا رہا۔ آخر وہ مبارک روز بھی آیا جس میں اس چشمہ خیر کثیر کے اتمام و اکمال کی بشارت ہم کو دی گئی۔ اور ۹ر ذی الحجہ یوم عرفہ کو الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی کا فرحت انگیز پیغام عرفات کے میدان مقدس میں سنایا گیا۔ اور قیامت تک کے اس قانون کو مکمل کر کے ہمارے سپرد کیا گیا۔

فاروق اعظمؓ کے زمانہ میں علماء یہود میں سے کسی نے اس آیت کو سن کر کہا اگر ہمارے یہاں یہ آیت نازل ہوتی تو ہم اسکو روز عید شمار کرتے اور خوب خوشیاں مناتے۔ یہ سن کر فاروق اعظمؓ نے ارشاد فرمایا کہ اس روز ہماری دوہری عید تھی اس لئے کہ یہ آیت جمعہ کے روز عرفات میں نازل ہوئی ہے اور جمعہ و عرفہ ہماری عیدیں ہیں۔

بہرحال عید کی حقیقت ایک مسلمان کی نظر میں صرف یہ ہے کہ وہ اس روز خدا کے خالص فضل و انعام کے تشکر و امتنان میں مخمور و مسرور ہوتا ہے اور دربار خداوندی میں مسرت و شادمانی کے ساتھ سر نیاز جھکاتا ہے۔

عید الفطر، عید الاضحیٰ، جمعہ، عرفہ، یہ سب مسلمانوں کی عیدیں ہیں اور ان سب کا خلاصہ وہی ایک حقیقت ہے جو بیان ہو چکی۔ یہی فرق ہے اسلام اور دیگر ملل و ادیان میں کہ اسکی غمی و خوشی، رنج و سرور، حزن و مسرت سب خدائے قدوس ہی کیلئے ہے۔ اور اسکی تمام عیدیں ہزلیات اور خرافات سے پاک اور بری ہیں اور ان کا ہر ہر جزو صرف خدائے قدوس ہی کی یاد سے مملو ہے۔ ؏

[۱۹۲۶ء میں یہ مضمون پہلے حضرت شاہ صاحب کی زندگی میں ایک رسالے میں چھپا تھا۔
منقول از ہفت روزہ استقلال دیوبند ۱۲ر دسمبر ۱۹۳۶ء مطابق ۲۷ر رمضان المبارک ۱۳۵۵ھ]

مجالس علمیہ

حضرت العلامہ مولانا قاضی عبدالکریم صاحب مہتمم نجم المدارس کلاچی

کائنات پر اہل اللہ کی وفات کا اثر

مخدومی حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتکم۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' ——— گرامی نامہ الحق کیلئے مضمون بھیجنے کے حکم پر مشتمل شرف صدور لایا۔ جوابی لفافہ کا تکلف انفعال بخش ثابت ہوا۔ وقت کا تقاضا ہے۔ کہ الحق کے بیشتر مضامین فتنہ' باطنیت واباحیت اور تحریفات اسلامیہ' جن کا برعکس نہند نام زنگی کافور کے اصول پر تحقیقات اسلامیہ نام رکھا جاتا ہے' کے رد میں ہونے چاہئیں اپنے پاس نہ انکے وسائل ہیں اور نہ انکے تلبیسات کھولنے کیلئے اسلاف کی معتمد علیہ کتب کا ذخیرہ موجود ہے۔ ان حالات میں آپ کے حکم کی صحیح تعمیل سے ظاہر ہے کہ قاصر ہوں۔ البتہ سنہ ۶۲ میں ایک مذہبی رسالہ نے شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے ذکر میں لکھا تھا:

> شہادت حسینؓ کے دن آسمان کے سرخ ہونے نجم الآبل کے طلوع ہونے۔ سورج کو گہن لگنے، ستاروں کا آپس میں ٹکرانا وغیرہ واقعات شیعوں کے گھڑے ہوئے ہیں۔ حدیث ان الشمس والقمر لا ینخسفان لموت احد ولا لحیوتہ او کما قال۔ کے خلاف ہیں۔ پیشہ ور واعظین اور مرثیہ خوانوں کے طفیل سنی عوام بھی اس میں مبتلا ہو گئے ہیں ———

احقر کو اس کے ساتھ اتفاق میں تامل ہوا اور تاثر الکائنات بموت من لا ینبغی ان یقال لھم اموات۔ کے عنوان سے مدیر رسالہ کو ایک عریضہ لکھا۔ انہوں نے وہ عریضہ صاحب مضمون کی خدمت میں بھیج دیا۔ جس کا انہوں نے کوئی جواب نہیں بھیجا اور نہ اس رسالہ نے اس پر کچھ شائع کیا۔ اسکی نقل خط کے ملائمات حذف کرنے اور حالیہ سفید لکیر سے متعلق معمولی اضافہ کرنے کیساتھ ارسال خدمت کر رہا ہوں۔ الحق میں شائع ہونے سے اس کا کوئی فائدہ نظر آئے تو اسے ہی تعمیل حکم تصور فرمایا جاوے ——— والامر الیکم ——— عبدالکریم

بعد الحمد والصلوٰۃ

کائنات کے مختلف انواع کا اہل اللہ کی موت سے متاثر ہونا اصول شرع کے خلاف نہیں۔

زمین و آسمان کا تاثر ——— چنانچہ زمین و آسمان کا اہل اللہ کی موت سے متاثر ہونا آیت فما بکت علیھم السماء والارض کے مفہوم سے واضح ہے اور جو حدیث مفسرینؒ اس کے تحت نقل فرماتے ہیں وہ تو اصرح مافی الباب ہے۔ مفاتیح الغیب للعلامۃ الرازیؒ صفحہ ۳۲۱/۷ میں ہے: قال الواحدی فی البسیط روی انس بن مالکؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال مامن عبد الا ولہ فی السماء بابان: باب یخرج منہ رزقہ

وباب یدخل فیہ عملہ فاذامات فقداہ وبکیا علیہ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہر آدمی کے لئے آسمان میں دو دروازے مقرر ہیں۔ ایک سے اس کا رزق آتا رہتا ہے۔ اور دوسرے سے اس کا عمل چڑھتا رہتا ہے۔ جب یہ فوت ہوجاتا ہے تو وہ اس پر رونے لگ جاتے ہیں۔

دوسری روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ عبد سے مراد عبد مومن ہے۔ نہ کہ ہر عبد علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے ایک مستقل باب باندھا ہے۔ باب بکاء السماء والارض والملائکۃ علی المومن اذامات قال اللہ تعالیٰ فما بکت علیہم السماء والارض۔ (شرح الصدور ص ۶۴) اس باب میں آپ نے بہت سی رقت خیز اور عمل انگیز روایتیں بیان فرمائی ہیں۔ جن میں سے دو ایک کو یہاں نقل کیا جاتا ہے —— من شاء التفصیل فلیراجعہ —— پہلی روایت :

اخرج ابن جریر عن ابن عباسؓ انہ سئل	ابن عباسؓ سے دریافت کیا گیا کہ یہ جو فرعون
عن قولہ تعالیٰ فما بکت علیہم السماء والارض	کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ کہ زمین و آسمان
ھل تبکی السماء والارض علی احد قال نعم	ان کے ہلاک ہونے پر نہ روتے تو کیا ایسے
انہ لیس احد من الخلائق الا لہ باب	لوگ بھی ہیں جنکی موت پر آسمان اور زمین روتے
فی السماء ینزل رزقہ منہ وفیہ یصعد	ہیں۔ انہوں نے کہا ہاں ہر آدمی کا آسمان میں ایک
عملہ فاذامات المومن فاغلق بابہ من	دروازہ ہوتا ہے جس سے اس کا رزق نازل
السماء الذی کان یصعد عملہ فیہ و	ہوتا ہے۔ اور اسی سے اس کا عمل اوپر کو جاتا
ینزل منہ رزقہ فقد بکی علیہ واذا	ہے۔ پس جب مومن کی وفات ہوجاتی ہے۔ اور
فقد مصلاہ من الارض الذی کان	اسکا وہ دروازہ بند کر دیا جاتا ہے جس سے
یصلی فیہا ویذکر اللہ فیہا بکت علیہ	اسکا عمل اوپر کو جاتا تھا۔ اور اس کا رزق نازل
وان قوم فرعون لم یکن لھم فی الارض	ہوتا تھا۔ پس آسمان اس پر رونے لگتا ہے اور
آثار صالحۃ ولم یکن یصعد الی اللہ منھم	جب باقی نہیں رہتا اسکا وہ مصلی جس پر وہ نماز
خیر فلم یبک علیھم السماء والارض۔	پڑھتا تھا۔ اور خدا کو یاد کرتا تھا تو زمین اس پر

رونے لگتی ہے۔ اور چونکہ فرعون کی قوم کے کچھ بھی زمین میں نیک آثار نہیں تھے اور اللہ کی طرف کوئی بھی ان کا نیک عمل اوپر کو نہیں جاتا تھا۔ اس لئے ان پر نہ زمین روئی اور نہ آسمان۔

اس روایت نے بتلایا کہ عبد سے مراد عبد مومن ہے نہ کہ ہر عبد —— بابان اور باب کا اختلاف بھی کچھ ایسا نہیں جس سے روایت پر شبہ کیا جا سکے۔ ہو سکتا ہے دروازہ ایک ہی ہو مگر اس کی ایک جانب

سے نزول رزق ہو اور دوسرے سے صعود عمل اور اس بنا پر ہر جانب کو مستقل باب کے نام سے یاد کیا گیا ہو۔

دوسری روایت :

اخرج ابن جریر عن الضحاک قال تبکی علی المومن الصالح معاملہ من الارض ومعرج عملہ من السماء۔	ضحاک فرماتے ہیں۔ مومن صالح پر زمین میں اسکا جائے عمل اور آسمان میں معرج عمل روتا ہے۔

تیسری روایت :

واخرج عن عطاء قال بکاء السماء حمرۃ اطرافھا وابن ابی الدنیا عن الحسن قال بکاء السماء حمرتھا۔	ابن جریر نے عطاء سے اور ابن ابی الدنیا نے حسن سے نقل کیا ہے کہ آسمان کا رونا اس کا سُرخ ہونا ہے۔

ان روایات کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ عبد مومن اور عبد صالح پر زمین اور آسمان روتے ہیں۔ اور آسمان کا رونا اس کا سُرخ ہونا ہے۔

عرش کا تاثر ——— اسی طرح عرش کا متاثر ہونا بھی حدیث شریف مشتمل بر وصال سیدنا حضرت سعد ابن معاذ سے ثابت ہے مشکوۃ شریف باب عذاب القبر ص ۲۶ میں ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

ھذا الذی تحرک لہ العرش وفتحت لہ ابواب السماء۔	یہ وہ بزرگ ہیں جن کے لئے عرش کو حرکت ہوئی اور آسمان کے دروازے اس کیلئے کھولے گئے۔

علامہ طیبی نے فرمایا :

ویمکن ان یقال ان تحرک العرش لفقدہ علی طریقۃ قولہ تعالیٰ فما بکت علیھم السماء والارض۔	ہو سکتا ہے کہ عرش کی حرکت ان کے انتقال کے باعث ہو جیسا کہ آیت فما بکت علیھم السماء والارض سے معلوم ہوتا ہے۔

حیوانات کا تاثر ——— حیوۃ الحیوان میں بحوالہ طبقات ابن سعد نقل کیا گیا ہے کہ رجل صالح حضرت عمر بن عبد العزیز کے وصال کے دن بھیڑیا نے بھیڑ پر حملہ کیا تو راعی صالح نے فوراً کہا معلوم ہوتا ہے۔ کہ آج رجل صالح کا وصال ہو گیا۔ تحقیق کرنے پر معلوم ہوا کہ ایسا ہی ہوا ہے ——— تاثر غم نہ سہی مطلق تاثر اس واقعہ سے بھی ثابت ہو رہا ہے۔

مائعات اور نباتات کا تاثر ——— متقدمین میں اس نوعیت کا واقعہ ذہن میں نہیں ہے ——— لیکن سیدنا شیخ الاسلام حضرت مدنی قدس اللہ سرہ العزیز کے متعلق الجمعیۃ شیخ الاسلام نمبر میں یہ واقعہ نقل

کیا گیا ہے۔ کہ آپ کے مطالعہ گاہ میں جو پھول ایک سال چند ماہ سے بالکل تر و تازہ موجود تھے۔ آپؒ کے وصال پر یکدم مرجھا کر سیاہ ہو گئے۔ حتیٰ کہ وہ پانی بھی سیاہ ہو گیا جس میں وہ رکھے گئے تھے۔

جمادات کا تاثر ——— تاثر زمین سے متعلق آیت کریمہ اور روایات منثورہ پہلے گذر چکے ہیں۔ اس کے علاوہ سر الشہادتین میں حضرت شاہ صاحبؒ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایت کے آخر میں یہ تصریح نقل کی ہے:

وقال یا ام سلمۃؓ اذا تحولت ھذہ التربۃ دما فاعلمی ان ابنی قد قتل۔	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ام سلمہؓ جب یہ مٹی خون ہو جائے تو جان لے کہ میرے بیٹے کو قتل کر دیا گیا ہے۔

احجار بیت المقدس کے تحت خون کے ظاہر ہونے کی روایات کو بھی سر الشہادتین میں بلا کسی نکیر کے حضرت شاہ صاحبؒ نے نقل فرما دیا ہے۔

بہرحال تاثر الکائنات بموت من لا ینبغی ان یقال لہم اموات۔ تو مختلف روایات اور متعدد واقعات صحیحہ سے ثابت ہے۔ رہا نقلاً اس دن (یوم شہادت حسینؓ) اس قسم کے واقعات کا وقوع سو حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی جو یقیناً غیر شیعی، غیر پیشہ ور واعظ اور غیر مرثیہ خوان معتمد علیہ بزرگ اور اہل سنت کے مستند امام ہیں، نے سر الشہادتین اور ماثبت بالسنۃ میں ان کا وقوع بھی بیان فرمایا ہے۔

سر الشہادتین میں امام الطائفہ حضرت مولانا شاہ عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں:

اخرج البیہقی وابونعیم عن نصرۃ الازدیۃ قالت لما قتل الحسینؓ مطرت السماء دما فاصبحنا وحبابنا وجرارنا وکل شئی لنا ملأن دما۔	بیہقی اور ابونعیم نے روایت کی ہے۔ کہ حضرت حسینؓ کے قتل کے دن ہمارے کوزے گھڑے اور پانی کے تمام برتن خون سے بھر گئے۔

اسی میں بیہقی کی روایت سے نقل فرمایا ہے:

فکانت السماء ایاما تبکی لہ۔	آسمان کئی دن تک اس حادثہ پہ روتا۔

ایک اور روایت نقل کی:

اخرج بیہقی عن جمیل بن مرۃ قال اصابوا ابلا فی عسکر الحسینؓ یوم قتلہ	لشکرِ حسینؓ کے چند اونٹ ان کے ہاتھ لگے ان کو ذبح کر کے انہوں نے پکایا تو وہ حنظل

فنخرواھا وطبخوھا فصارت مثل العلقم — کی طرح کڑوے تھے۔ اور وہ ان کو نگل نہ سکے

فما استطاعوا ان یسیغوا منہا شیئا۔

شاہ صاحبؒ نے ان روایات کو نقل کر کے نہ صرف یہ کہ انکی تضعیف اور تغلیط کی بلکہ بیان واقعات میں انہیں سے استشہاد کر کے بڑی حد تک توثیق اور تصدیق بھی کر دی۔ آپ کے علاوہ حضرت شیخ عبدالحق صاحب دہلوی مصنف اشعۃ اللمعات شارح مشکوٰۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ اپنی تالیف ماثبت بالسنۃ میں فرماتے ہیں:

ولما قتل الحسینؓ بکت الدنیا سبعۃ	اور جب حسینؓ قتل کئے گئے تو سات دن تک
ایاما والشمس علی الحیطان کالملاحف	دنیا روئی اور آفتاب دیواروں پر ایسا تھا جیسے
المعصفرۃ والکواکب یضرب بعضہا بعضا	کسم کی رنگی ہوئی چادریں اور ستارے آپس میں
وکان قتلہ یوم عاشوراء وکسفت الشمس	ٹکراتے تھے۔ اور آپ کا قتل یوم عاشوراء کو ہوا
ذلک الیوم واحمرت آفاق السماء ستۃ	اور اس روز سورج کو گہن لگا۔ اور ان کے قتل
اشہر بعد قتلہ ثم لازالت الحمرۃ تری	کے بعد چھ ماہ تک آسمان کے کنارے سرخ
فیما بعد ذلک الیوم ولم تکن تری فیما قبلہ	دکھائی دیتے رہے۔ اس سے پہلے کبھی نظر نہیں آئے تھے۔

سرخی غیوب سورج کا اثر ہے یا اظہار غم کا اس سے پہلے بھی نفس سرخی موجود رہتی تھی۔ اس میں ازدیاد اسی دن سے ہوئی۔ لا مزاحمۃ فی الاسباب ایک عام قاعدہ ہے۔ وغیر ذلک یہ مباحث اپنی جگہ پر ہیں۔ یہاں یہ بتلانا مقصود ہے کہ قتل حسینؓ کے دن اس قسم کے واقعات کو جب شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ عبدالحق صاحبؒ جیسے بزرگ تسلیم فرما رہے ہیں۔ تو یہ تسلیم کرنا آسان نہیں ہے۔ کہ یہ سب ناقابل اعتبار روایات ہیں، شیعوں کی گھڑی ہوئی ہیں۔ اور پیشہ ور واعظین اور مرثیہ خوانوں کے طفیل سے سنی عوام اس میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

ایک اور سہل توجیہ اور حدیث لاینخسفان لموت احد الخ کا جواب

ان الشمس والقمر لاینخسفان لموت	سورج اور چاند کو کسی کی موت اور حیات کی
احد ولالحیوتہ۔	وجہ سے گہن نہیں لگتا۔ (الحدیث)

سے جملہ " وکسفت الشمس ذلک الیوم کما ورد فی ماثبت بالسنۃ " کے تعارض کا شبہ۔ سو گذارش

ہے۔ کہ حدیث بالا سے یہ تو ضرور ثابت ہوتا ہے۔ کہ شمس و قمر کا تاثر بطور انخساف کے کسی کی موت اور حیات سے نہیں ہوتا۔ مگر یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ ظلم و عدوان اور معصیت وطغیان سے بھی ان کا انخساف نہیں ہوتا بلکہ روایات باب کا ظاہر اسی پر دال ہے کہ ان کا انکساف ظلم و عصیان ہی کی وجہ سے ہوتا ہے چنانچہ حدیث کسوف میں غیرت خداوندی اور زنا پہ حضرت حق جل مجدہ کو غیرت آنے کا ذکر اسی طرف مشیر ہے۔ پھر یخوف اللہ بہا عبادہ کے الفاظ تو صریح ہیں۔ کہ ان آیات کے اظہار کا مقصد ظالم عاصی اور طاغی وسرکش کی تخویف ہی ہے ـــــ اب سوچا جائے تو شہادت حسین رضی اللہ عنہ کے دن صرف موت حسین رضی اللہ عنہ ہی واقع نہیں ہوئی تھی۔ بلکہ خانوادہ نبوت پر بے پناہ مظالم بھی ڈھائے گئے تھے۔ معصوم شیر خوار بچوں تک بھوکا پیاسا نشانہ تیر بنایا گیا تھا۔ اہل بیت عظام کے عظمت واحترام کو مجروح کیا گیا تھا۔

بناءً علیہ اس دن کے تمام کائناتی تغیرات بشمول کسوف شمس کو حسب تصریح حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمہ اللہ اگر صحیح مان لیا جائے اور اس کے سبب ظاہری کو موت حسین رضی اللہ عنہ نہیں تاکہ حدیث لاینخسفان لموت احد ولا لحیوتہ ـ سے تعارض لازم آئے بلکہ ظالمین و متمردین کے ظلم و تمرد بر حسین رضی اللہ عنہ ہی کو اسکی علت قرار دیا جائے، تو ایک طرف شبہ تعارض جاتا رہے گا۔ دوسری جانب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمہ اللہ اور حضرت عبدالحق صاحب جیسے اجلہ محققین کی بیان کردہ روایات کو بلا ضرورت رد کرنے کی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔ اور چونکہ یہ تغیرات ظلم و عدوان علی الحسین رضی اللہ عنہ ہی کی وجہ سے رونما ہوئے۔ اس لئے عظمت حسین رضی اللہ عنہ بھی اپنی جگہ پہ قائم رہے گی ـــــ ساتھ ہی جو اذہان تاثر الکائنات بموت من لا یتجوی ان یقال لھم اموات کو قبول کرنے میں بوجھ محسوس کرتے ہیں۔ ان کے لئے تغیر الکائنات یا تکون الحوادثات بوجود المعاصی والسیئات سہل القبول ہو گا۔ یعنی سہل توجیہ یہ کی جا وے کہ قتل حسین رضی اللہ عنہ کے دن آسمان کا سرخ ہونا۔ گوشت کا کڑوا ہونا پانی وغیرہ کا خون ہونا سورج کو گہن لگنا وغیر ذٰلک سب واقعات رونما ہوئے، مگر ان کے رونما ہونے کا سبب وجود ظلم و عدوان متعلقہ بہ اہل بیت کرام اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ تھا جو کہ معصیت کبیرہ اور سیئہ غلیظہ ہی تھا۔ اور معاصی و سیئات اور ظلم و عدوانات کا اس طرح کے انقلابات کا سبب ہونا تو خود منصوص ہے ـــــ

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتخذ الفئ	حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس وقت کہ ٹھہرائے
دولاً والامانۃ مغنماً والزکاۃ مغرماً	جاویں گے۔ غنیمت دولت اور ٹھہرائی جاوے گی
وتعلم لغیر الدین واطاع الرجل امرأتہ	امانت غنیمت اور زکوٰۃ تاوان اور جس وقت کہ

وعق أمه وادنى صديقه واقصى اباه وظهرت الاصوات في المساجد وساد القبيلة فاسقهم وكان زعيم القوم ارذلهم واكرم الرجل مخافة شره وظهرت القينات والمعازف وشربت الخمور ولعن آخر هذه الامة اولها فارتقبوا عند ذلك ريحا حمراء وزلزلة وخسفا ومسخا وقذفا وآيات تتابع كنظام قطع سلكه فتتابع - رواه الترمذي۔

سیکھا جاوے گا۔ علم واسطے غیر دین کے اور فرمانبرداری کریگا آدمی اپنی بیوی کی اور خلاف کرے گا اپنی ماں کا اور نزدیک کرے گا مرد اپنے دوست کو اور دور رکھے گا اپنے باپ کو اور بلند ہونے لگیں آوازیں مسجدوں میں اور سردار ہوگا قوم کا وہ کہ فاسق ہے ان میں۔ اور ہوگا رئیس ان کا بڑا کمینہ ان کا اور تعظیم کیا جاوے گا مرد بوجہ ڈر ہونے کے کہ اس کے شر سے بچا جاوے اور ظاہر ہوں گی گانے والیاں اور ظاہر ہوں گے باجے اور پی جاوے گی شراب اور لعنت کہیں گے پچھلے اس امت کے اگلوں کو پس منتظر رہو اس وقت ہوا سرخ کے اور زلزلوں کے اور خسف و مسخ کے اور پتھر برسنے کے اور قیامت کے ان نشانیوں کے جو پے درپے ظاہر ہوں گی مانند لڑی جواہر وغیرہ کے کہ ٹوٹ جاوے ڈور اس کا اور گرنے لگیں پیہم دانے اس کے۔

غیر دینی تعلیم میں انہماک کی تباہی

تعلم لغیر الدین کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ سیکھا تو دین ہی جائے مگر مقصد رضاء الٰہی نہ ہو بلکہ وجاہت و قیادت دنیویہ ہی مطلوب و مقصود ہو۔ كما هو المشاهد في زماننا في اكثر المتعلمين والمعلمين في مدارسنا العربية۔ جس کا بین ثبوت عموماً ہمارا بے عمل بلکہ بدعمل ہونا ہے۔ الا ماشاء الله ونعوذ بالله من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع - اور اسی جملہ تعلم لغیر الدین کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں۔ کہ غیر دین ہی کو سیکھا جاوے اور دین کی تعلیم یکسر چھوٹ ہی جاوے جیسے کہ ہمارے ملک میں ننانوے فیصد مسلمانوں کا عمل ہے کسی شہر کے بھی دینی اور دنیوی مدارس کے طلباء کی تعداد اور ان کے تناسب کو دیکھا جاوے تو ہمارے دعویٰ میں کوئی بھی مبالغہ نظر نہیں آئے گا ——— یہ صحیح ہے۔ کہ فی نفسہ دنیوی تعلیم جائز ہے۔ اور بعض صورتوں میں ضروری بھی۔ لیکن اس میں اتنا انہماک کہ دین کے مبادی اور ضروری مقاصد تک سے مسلمان بے خبر رہ جاوے یہاں تک کہ اسلام کے نام پر جو بھی دعوت اسے دی جاوے اگرچہ مسلمات قطعیہ کے خلاف ہو وہ اسے حسب منشا پا کر اسلام کے نام پر قبول کرنے کیلئے تیار ہو جاوے۔ اور کفر و اسلام کے بنیادی عقائد اور مسلمات اسلامیہ ہی سے ناواقف رہ جاوے۔ یقیناً قومی ہلاکت اور اسلام کی رو سے بالکل

باطل ناجائز ——— اور عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے مترادف ہے۔ سبّ سلف بھی قومی تباہی کا ذریعہ ہے۔ لعن آخر ھذہ الامۃ اولھا۔ میں جسطرح سبّ سلف داخل ہے۔ سلف صالحین ائمہ عظام اور محدثین ومفسرین کرام کی تحقیقات اور انکی علمی اخلاقی اور سیاسی زندگی میں کیڑے نکالنا اور تنقید کے نام سے ان پر سے امت کا اعتماد اٹھا دینا بھی جیساکہ ہمارے زمانہ کے متجددین کا فیشن ہے۔ لعنت ہی کا غیر معمولی فرد ہے۔ اور امت کو تباہ کرنے کی نامسعود سعی جوکہ درحقیقت قہر الٰہی اور غضب خداوندی کو دعوت دینا ہے۔ اللھم اذا اردت بقوم فتنۃ فتوفنا غیر مفتونین۔

بہرحال روایت مذکورہ سے یہ ثابت ہوگیا کہ بعض خاص معاصی اور گناہ عالم میں تغیر تبدل اور انقلابات ریح حمراء زلزلہ وغیرہ کا ذریعہ بنتے ہیں۔ یوم قتل حسینؓ کا ظلم ومعصیت بھی اگر آسمان کے سرخ ہونے اور دیگر تغیّرات کا ذریعہ بنا تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔

روایت ہذا سے یہی استشہاد مقصود تھا۔ مگر چونکہ اس میں بہت سے اصلاحی مضامین ارشاد فرمائے گئے ہیں۔ جنکی ہم کو سخت ضرورت ہے۔ اور بہت سے عیوب کی نشاندہی کی گئی ہے۔ جن میں ہم مبتلا ہیں۔ اس لئے صرف حوالہ پر اکتفا نہیں کیا گیا۔ اور پوری روایت کو بامعنی پیش خدمت کیا گیا۔

واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم

طعام میں فساد آنے، کھانے پینے کی اشیاء پر معاصی کے اثر انداز ہونے کے متعلق بھی ملاحظہ فرمایئے۔ خازنؒ نے بخاری ومسلم کی روایت سے نقل فرمایا ہے:

لولا بنوا اسرائیل لم یخبث الطعام ولم یخنز اللحم۔	اگر بنی اسرائیل کی خیانت اور حکم خداوندی سے بغاوت نہ ہوتی تو گوشت نہ سڑتا اور روٹی خراب نہ ہوتی۔

اسی طرح خازنؒ ہی نے قصہ قابیل وہابیل میں نقل کیا ہے:

لما قتل قابیل ھابیل اشتاک الشجر وتغیرت الاطعمۃ وحمضت الفواکہ ومر الماء۔	جب قابیل نے ہابیل کو ناحق قتل کیا۔ (تو اس ظلم کی وجہ سے) درختوں میں کانٹے پیدا ہوگئے طعام خراب ہونے لگ گیا۔ میووں میں ترشی آگئی اور پانی میں تلخی۔

اسی طرح قتلِ حسینؓ کے دن جو ظلم وعدوان ہوا اگر اس کے باعث اونٹوں کا گوشت کڑوا ہوا یا کھانے

پینے کی چیزوں میں دوسرے تغیرات رونما ہوئے تو اصولِ دین کے خلاف کس طرح لازم آیا اور جب اصولاً یہ بات ممکن ہے تو شاہانِ دہلیؒ کی روایات کو بلا وجہ رد کرنے کی کیا ضرورت ہے۔

سفید لکیر سیات اور عدوانات کے باعث انقلابات اور تغیر فی الکائنات کی ایک اور مثال بھی قارئین کی پیشِ خدمت ہے جس سے حالیہ ہنگامی حالات میں دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی۔

امام ربانی مجدد الف ثانیؒ نے خواجہ شرف الدینؒ کو تحریر فرمایا ہے۔ صحیفہ شریفہ جو فرزند عزیزؒ نے مولانا ابو الحسنؒ کے ہمراہ روانہ کیا تھا۔ پہنچا اور بڑی خوشی حاصل ہوئی۔

> تم نے ستون کی نسبت جو مشرق کی طرف سے پیدا ہوا تھا دوبارہ دریافت کیا ہے۔ سو جاننا چاہیئے کہ خبر میں آیا ہے کہ جب عباس بادشاہ جو حضرت مہدی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ظہور کے مقدمات میں سے ہے خراسان میں پہنچے گا۔ مشرق کی طرف قرن ذوسنین (دو دندانہ والا سینگ) طلوع کریگا۔ اس کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ کہ ستون مذکور کے دو سر ہونگے۔ یہ پہلے پہل اس وقت طلوع ہوا تھا جب حضرت نوح علے نبینا و علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم ہلاک ہوئی تھی۔ پھر حضرت ابراہیم علے نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں طلوع ہوا تھا۔ جبکہ انکو آگ میں ڈالا تھا۔ اور فرعون اور اسکی قوم کے ہلاک ہونے کے وقت بھی طلوع ہوا تھا۔ اور حضرت یحییٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے قتل کے وقت بھی ظاہر ہوا تھا جب اسکو دیکھیں حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فتنوں کے شر سے پناہ مانگیں ...... الی قولہ یہ طلوع اس طلوع سے الگ ہے۔ جو حضرت امام مہدیؓ کے آنے کے وقت پیدا ہوگا ———
>
> والمکتوب بطولہ ——— دفتر دوم مکتوب ۶۸

مکتوب کی تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قسم کے تغیرات کائنات الجو یا فلکیات میں اللہ والوں پر ظلم کے باعث بھی رونما ہوتے ہیں۔ جیساکہ حضرت خلیل اللہ کو آگ میں ڈالتے اور حضرت یحییٰ کو شہید کر دینے کے وقت ہوا اور کسی فتنہ کے رونما ہونے کے وقت بھی بطورِ پیش خیمہ کے اسکا طلوع ہوتا ہے۔ کیونکہ ظہور مہدیؓ اس وقت ہوگا جبکہ ہر طرف کفر و ضلالت پھیل جائے گا۔ اور اسی لئے مکتوب میں فرمایا گیا کہ جب اسکو دیکھیں تو حق تعالیٰ کی بارگاہ میں فتنوں کے شر سے پناہ مانگیں۔ اسی طرح اسکا ظہور خیر و برکت کی نشاندہی اور ہلاکت کفار پر اظہار خوشی کے طور پر بھی ہو سکتا ہے۔ جیساکہ اسی مکتوب میں فرمایا گیا ہے۔ کہ قوم نوحؑ اور قوم فرعون کی ہلاکت پر بھی ظاہر ہوا تھا۔ ممکن ہے ستون نورانی کے اختلاف شکل کو بھی اس کے اسباب و عواقب کے اختلاف پر دلیل بنایا جا سکتا ہو۔ چنانچہ حالیہ سفید لکیر کے متعلق حضرت علامہ قنائی دامت برکاتہم نے ایک مکتوب میں تحریر فرمایا ہے۔ "سفید لکیر بشکل تلوار تھی جو جہاد اور قوت کی نشانی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ" اور یہی نیک فالی اور حسن ظن باللہ کا تقاضا بھی ہے کہ اس کے ظہور کو بجائے نحوست کے اظہار خوشی اور مستقبل میں مسلمانوں کی قوت اور مقبولیت جہاد کی نشانی قرار دیا جاوے ——— والعلم عند اللہ العلیم الخبیر۔

احوال وکوائف دارالعلوم

علم کی نعمت اور اس کے تقاضے

نئے تعلیمی سال کے آغاز میں شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ کی تقریر

ـــــــ مرتب : سلطان محمود ناظم دفتر اہتمام ـــــــ

ڈیڑھ ماہ کی تعطیلات کے بعد ۸ شوال کو نئے تعلیمی سال کیلئے دارالعلوم حقانیہ کا داخلۂ طلبہ شروع ہوا جو ۲۰ شوال المکرم تک جاری رہا اب تک ملک کے دور دراز علاقوں، ملحقہ ریاستوں بلکہ افغانستان کے اطراف و اکناف تک کے ساڑھے تین سو طلبہ دارالعلوم پہنچ چکے ہیں جنکے قیام و طعام کتب وغیرہ ضروریات کا دارالعلوم کفیل ہے۔ وسائل کے محدود ہونے کی وجہ سے بادل ناخواستہ کافی طلبہ کو واپس کرنا پڑا۔ نئے طلبہ سے بوقت داخلہ اساتذہ دارالعلوم مقررہ کتابوں میں سے امتحان لیتے رہے ـــ ۲۲ شوال بروز منگل تعلیمی سال کا آغاز ہوا۔ تمام طلبہ و اساتذہ نے دارالحدیث میں جمع ہوکر ختم کلام پاک کیا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ نے دورۂ حدیث کی بابرکت کتاب ترمذی شریف سے تعلیمی سال کا افتتاح فرمایا۔ افتتاحی تقریب میں حضرت شیخ الحدیث نے دو گھنٹہ تک علماء و طلبہ کے اس مجمع سے فضیلت علم اور طلبہ علوم نبوت کے درجات اور علم کے تقاضوں اور ذمہ داریوں پر مؤثر اور بصیرت افروز خطاب فرمایا جس کا اختصار درج ذیل ہے:

عزیز بھائیو! علم کی نعمت فضلِ خداوندی سے میسر ہوتی ہے۔ جو آپ کو حاصل ہوئی علوم نبوت ہی کی بدولت حضرت بلال حبشیؓ کو فضل خداوندی نے یہ مقام دیا کہ حضورؐ نے فرمایا کہ میں نے بلالؓ کو دیکھا کہ جنت میں مجھ سے (بطور خادم خاص) آگے آگے جا رہے ہیں۔ صہیب رومیؓ روم سے آکر اس فضلِ خداوندی کی بدولت صحابہ کے محبوب اور حضرت امیر المومنین عمرؓ کے قابلِ فخر دوست بنتے ہیں۔ یہاں تک کہ فاروق اعظمؓ کے نماز جنازہ پڑھانے کا شرف بھی انہیں حاصل ہوتا ہے۔ تو آپ طلبہ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان ہے کہ مسلمان بنایا بلکہ زمرۂ علماء میں محسوب کیا۔ اور علم کی خاطر اپنے اوطان چھوڑ کر یہاں آنے کی توفیق دی کہ جہاں کا سارا ماحول علمی اور دینی ہے۔ ایمان کے علاوہ کوئی خبر نہیں نہ نئی تہذیب کا ہنگامہ اور شور و غوغا ہے۔ آج دنیا میں علمی اور دینی ماحول ناپید ہوتا جا رہا ہے۔ دینی دار شہروں میں ترستے ہیں۔ کہ دین و علم کا ماحول میسر ہو طلبۂ علم کے مقامات و درجات کے کیا کہنے اللہ جل مجدہ نے مدرسہ کائنات کو پیدا فرمایا عابدین و زاہدین کی کمی نہ تھی۔ جو ملائکہ جیسی پاکیزہ مخلوق تھی۔ کہ جن سے معصیت کا صدور ناممکن تھا۔ مگر اپنی صفت علم ظاہر فرمانے کیلئے حضرت آدم علیہ السلام خلیفۃ اللہ کو پیدا فرمایا۔ جو اس مدرسۂ علم کے پہلے طالب العلم تھے یہ سارا عالم ایک مدرسہ ہے کہ اس میں کمرے درسگاہیں، اقامت گاہ، پانی، ہوا، غذا اور دیگر تمام ضروریات تعلیم و تعلم کا سامان فراہم کیا گیا ہے۔ اس درسگاہ کے پہلے استاذ و معلم خود اللہ جل مجدہٗ ہیں۔ وعلم آدم الاسماء کلھا۔ (اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو تمام اشیاء کے نام سکھائے۔) اس سے مقام علم کی اللہ تعالیٰ کے ہاں

مقبولیت ظاہر ہوتی ہے۔ اگر آپ لوگ کروڑپتی بھی ہوتے تو زیادہ سے زیادہ نمرود و قارون کیساتھ مالداری میں شریک ہوتے۔ اگر سلطنت ملی ہوتی تو فرعون و شداد کو سیمن جانسن اور دیگر سلاطین کے برابر ہو جاتے۔ جو فخر کا مقام نہیں۔ اور جو کافروں کو بھی حاصل ہے۔ آپ کی خالص خصوصیت و نعمت حضور اقدس اور دیگر انبیاء کی وراثت ہے۔ کہ انہوں نے مال و دولت نہیں چھوڑی بلکہ اپنے ترکہ میں علم کی میراث چھوڑی۔ حضرت ابوہریرہؓ ایک دفعہ مدینہ منورہ کے بازار میں جاکر آواز دینے لگے کہ مسجد میں حضورؐ کی میراث تقسیم ہو رہی ہے۔ اور آپ لوگ بے خبر بازار میں گھوم رہے ہیں۔ لوگ مسجد کی طرف دوڑے۔ اور دیکھا کہ علم و ذکر کے حلقے میں قرآن و حدیث کی تعلیم اور مذاکرے ہو رہے ہیں۔ لوگوں نے متعجب ہو کر ابوہریرہؓ سے دریافت کیا۔ تو فرمایا کہ حضورؐ کی میراث یہی ہے۔ وہ نہیں جس میں تم مشغول ہو۔ تو حضورؐ کی مخصوص میراث قرآن و سنت اور علوم نبوت ہیں۔ اور یہ قرآن و سنت اتنی عظیم دولت ہے کہ واللہ العظیم دنیا و آخرت کی ہر خیر و خوبی اس میں پائی جاتی ہے۔ اور ہر نقصان و تباہی سے بچنے کا ذریعہ بھی قرآن و سنت ہی ہے۔ جن لوگوں نے دنیا کے کاروبار مشاغل گھر بار چھوڑ کر خالصۃً للہ اسکے لئے اپنے زانو تہ کئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت کے ہر خیر سے مالا مال کر دیا۔ دنیاوی لحاظ سے آج سب سے بے فکر اور مطمئن الحال طبقہ آپ طالب العلموں کا ہے۔ اہل دنیا دن رات تلاش رزق و معاش میں سرگرداں رہتے ہیں۔ اور آپ لوگ بڑے اطمینان سے رزق کی پریشانیوں سے بے خبر حصول علم میں مشغول ہیں۔ یہ علم کی دنیاوی برکات ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی حفاظت دین کے وعدوں کا ظہور ہے۔ کہ آپ کو مسخر کر کے علم کی راہ میں لگا دیا۔ کہ خوب سمجھتے ہیں۔ کہ دنیاوی مناصب اور وجاہت کے مفادات اس راہ میں نہیں پھر بھی تمہاری گردن علم کے لئے جھکا دی اور ایسا مسخر کر لیا کہ مثلاً اگر دورہ حدیث کے کسی محنتی طالب علم کو مقابلہ میں دنیا کی حکومت پیش کر دی جائے تو وہ ایسی دس حکومتوں کو علم نبوی کے حصول کے مقابلہ میں ٹھکرا دے گا۔ گویا اس گئے گذرے دور میں اللہ تعالیٰ کا اہتمام محبت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اپنے دین کیلئے قیامت تک نئے نئے پودے لگاتے رہیں گے۔ (ان اللہ لیغرس لہذا الدین غرسًا)

ترمذی میں ابوسعید خدریؓ کی روایت ہے۔ کہ حضورؐ نے فرمایا کہ تمہارے پاس علم دین کے طلبہ دور دراز کے علاقوں سے اونٹوں اور سواریوں کے جگر مار مار کر مدینہ طیبہ آئیں گے۔ تو آپ لوگ انہیں مرحبا کہیں اس حدیث مبارک کی بنا پر میں بھی آپ کو مرحبا اور خوش آمدید کہتا ہوں۔

دارالعلوم میں آپ حضرات کی آمد ہمارے لئے خدا کی عظیم سعادت ہے۔ اور اس مدرسہ کی یہ خصوصیت ہے۔ کہ اسکی تاسیس ہی طلبہ کے ہاتھوں سے ہوئی۔ تقسیم ہند کے فوراً بعد طلبہ نے ہی یہاں جمع ہو کر ایسے حالات میں مدرسہ کا آغاز کیا کہ اس ملک میں مدرسہ کا تصور بھی مشکل تھا۔ اس وقت بھی طلبہ کا یہ اخلاص اور عامۃ المسلمین کی امداد اور دعائیں ہیں۔ کہ یہ سب کام ہو رہا ہے۔ کسی حکومت کی طرف سے ایک پیسہ امداد بھی نہیں۔ یہ محض آپ

جیسی بے سروسامان جماعت کی دعائیں اور ارادے اور اہل اللہ کی محبت اور اخلاص اور وعدۂ خداوندی انا نحن نزلنا الذکر وانا لہ لحفظون کا ظہور ہے۔

غرباء اور عامۃ المسلمین کی امداد ایسی بابرکت شئے ہے۔ کہ بقول حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح اس سے اللہ پر اعتماد اور بھروسہ قائم رہتا ہے مستقل آمدنی اور امراء و حکام کی سرپرستی کی صورت میں یہ دولت اعتماد زائل ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے۔ کہ علوم دین جنکی تمام دنیا کو شدید ضرورت ہے۔ اور جس پر دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔ اسے بہت ہی آسان بنا دیا ہے۔ کالجوں اور یونیورسٹی کے علم کے حصول میں ہر طالب العلم کو سو ڈیڑھ سو روپے ماہوار لگانے پڑتے ہیں۔ اور علم نبوی کے طالبعلموں کو کوئی فیس و خرچ کے بغیر تمام انتظامات مہیا فرمائے ہیں۔ اور اپنے بندوں کے دلوں کو آپ کی امداد کی طرف متوجہ کیا۔ اب آپ کا کیا فریضہ ہے؟ اس علم کا تقاضا ہے۔ کہ دین کی حفاظت اور اعتبار سے اس کا تحفظ عملی شکل میں کیا جاوے۔ خود اس کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر دیں۔ اگر محض تعلیم ہو صورت اور عمل کی شکل نہ ہو تو جتنے انعامات و اکرامات زیادہ ہیں۔ اتنا ہی اس کا عذاب اور وبال بھی ہو گا۔ وراثت نبوت کا مقام سب سے اونچا ہے۔ مگر اس کے تقاضے اور ذمہ داریاں بھی بہت نازک ہیں۔ جو لوگ اپنے پیٹ کو کاٹ کر آپ کی ضروریات پوری کرتے ہیں۔ وہ آپ سے بجا طور پر توقع رکھتے ہیں۔ کہ آپ وارث نبوت بن کر ان کے سامنے پیش ہوں ؎

نقشہ تعداد طلبۂ درجہ عربی دار العلوم حقانیہ۔ (علاقائی تفصیل)

پاکستان و آزاد قبائل

علاقہ	تعداد
ضلع پشاور	۳۵
ضلع مردان	۳۴
بنوں	۱۳
کوہاٹ	۸
ڈیرہ اسماعیل خان	۲۲
میانوالی	۱
کیمبل پور	۳
ہزارہ	۲۲
ریاست سوات	۱۷
" باجوڑ	۵
" دیر	۱۷
کوہستانی علاقہ	۲

بلوچستان

علاقہ	تعداد
لورالائی، کوئٹہ، قلات	۳۲
وزیرستان	۱۰
چترال	۱
آزاد کشمیر	۱
علاقہ تیراہ	۶
مہمند ایجنسی	۷
علاقہ چکیسر	۴
سلہٹ مشرقی پاکستان	۱

افغانستان

علاقہ	تعداد
ہرات	۲
لغمان	۵
طالقان	۳
قندہار	۱۸
غزنی	۵
ننگرہار	۳
گردیز	۵
خوست	۴
نورستان	۸
ترکستان	۵
بدخشاں	۴

کل تعداد تا یکم ذی قعدہ	۳۳۰

مجلس احباب واکابر

افکار وتاثرات

ماہنامہ الحق میں نظر سے گزرا کہ مولانا شیخ الحدیث

محمد عبد الرحمٰن صاحب کیمبلپوری طاب اللہ ثراہ وجعل الجنۃ

مثواہ نے داعی اجل کو لبیک کہہ کر ہم مصیبت زدگان سے ہمیشہ کیلئے روپوش ہوئے۔ اس دردناک المیہ پر جتنا بھی افسوس کیا جائے کم ہے۔ مگر چونکہ کل من علیہا فان کے اٹل قانون کے مقابلہ میں کسی انسان کا بس چل ہی نہیں سکتا۔ لامحالہ اسکو انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر صبر کرنا ہی پڑے گا۔ ۱۹۳۷ء میں حضرت مرحوم کیساتھ مظاہر العلوم (سہارنپور) میں کچھ تلمذ کی زندگی بندہ کو نصیب ہوئی —— درس میں مولانا زکریا صاحب قدوسی (سہارنپور) من احق بالامامۃ کے مصداق کے تعین میں ہمیں سمجھایا کرتے تھے کہ جیسے مولانا عبد الرحمٰن صاحب کیمبلپوری ہے نا۔ یہ ہیں اورع اور احق بالامامۃ

تصنۃ العشق لا انفصام لہا   وصمت ھھنا لسان الحال

دنیا خالی ہورہی ہے۔ فیا اسفیٰ ولنعم ما قیل ——

ہمرہان رفتند سامان مروت بردہ اند   توجہ مے جوئی مروت اندریں قحط الرجال

فلی بعداد طاف سکونٌ الی الفلاء   وبالوحش النسی اذمن الانس وحشتی

مرحوم کے اعزہ واقارب ومتوسلین کے لئے بذریعہ الحق یہ تعزیت پیش کر رہا ہوں۔

مولانا امین گل عفی عنہ صدر اساتذہ وخادم حدیث

دار العلوم اسلامیہ عربیہ ٹل

یوگنڈا زبان میں ترجمۂ قرآن

قبلہ والدم بزرگوار رحمۃ اللہ تعالیٰ (مولانا رحمت علی خان) نے اگرچہ اکتساب علم اورنٹیل کالج لاہور میں شمس العلماء مولانا عبد الحکیم کلانوریؒ اور شمس العلماء مولانا محمد عبد اللہ صاحب ٹونکیؒ سے کیا تاہم آپ کا تعلق علمائے دیوبند سے رہا غالباً ۱۹۲۰ء یا ۱۹۲۲ء میں حضرت شیخ الہند محمود الحسن صاحبؒ کی بیعت طریقت سے مشرف ہوئے اور ان کی ہدایت کے مطابق سرکاری ملازمت ترک کرکے ۱۹۲۴ء میں دعوت وتبلیغ کے سلسلہ میں یوگنڈا (مشرقی افریقہ) چلے گئے جہاں آپ کا قیام ۱۹۳۲ء تک رہا۔ اس عرصہ میں آپ نے مقامی زبان یوگنڈی پر کامل عبور حاصل کیا۔ اور ۱۹۲۳ء میں سیرت النبیؐ پر ایک جامع تصنیف یوگنڈی میں شائع کی۔ اس زمانے میں بعض چھوٹے پمفلٹ بھی اسی زبان میں شائع فرمائے۔ زندگی کا آخری کام جو آپ نے انجام دیا ہے۔ وہ یوگنڈی زبان میں قرآن مجید کا کامل ترجمہ ہے۔ افسوس ہے کہ اب تک مالی مشکلات کی وجہ سے صرف ایک پارہ (تیسواں) شائع کر دیا جا سکا ہے۔ باقی مسودہ بحفاظت اس عاجز کے پاس رکھا ہے۔ ناچیز کی تمنا اور کوشش

ہے کہ ایسے ذرائع و وسائل جمع ہو جائیں جن میں سے اس کارِ عظیم کے اہلِ زبان تک پہنچنے کی کوئی صورت پیدا ہو جائے۔ عنوانِ ذیل کے نام سے ادارہ اسی غرض و غایت کیلئے بنا رکھا ہے۔ دعا فرماویں اللہ تعالیٰ ان کی اس سعیِ خیر کو قبول فرمائے وہاں کے عوام تک پہنچنے کے اسباب مہیا کر دے۔ آمین اگر اپنی علمی رائے ماہنامہ الحق میں بھی شائع فرماویں تو یہ آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔ والسلام۔ محمد نصر اللہ خان

ناظم لوگانڈہ اسلامک پبلی کیشنز کنجاہ روڈ گجرات شہر

یوگنڈا زبان میں ترجمہ قرآن مجید بہت بڑی خدمت ہے۔ یہ مکتوب اسی غرض سے شائع کیا جا رہا ہے کہ شاید اشاعتِ قرآن کے تڑپ رکھنے والے کسی صاحب کو اس کارِ عظیم میں تعاون کرنے کی سعادت حاصل ہو سکے۔ (ادارۂ الحق)

انگریزی مضامین

الحق بابت دسمبر ۱۹۶۵ء پیشِ نظر ہے۔ یہ امر باعثِ اطمینان ہے کہ الحق کا ہر نقش ثانی نقشِ اوّل سے بہتر معلوم ہوتا ہے۔ اللھم زد فزد ولا تنقص ———

دوارکا کی تباہی کے عنوان سے جس فوجی مجاہد کا مکتوب شائع ہوا ہے وہ نہایت مؤثر اور دلدوز ہے۔ کاتبِ خط کا مکمل پتہ دینا ضروری تھا۔ اس سے روایت بہت ہی قوی ہو جاتی اور راوی مجہول و معلوم کی روایت میں جو فرق ہو سکتا ہے۔ اسی انداز سے اس میں قوت آجاتی۔ اب بھی اس مجاہد کا اڈریس دیا جا سکتا ہے ———

قاضی عبدالصمد صاحب سربازی کی تجویز بہت عمدہ ہے۔ کہ حضرت افغانی مدظلہٗ کے مضامین کا انگریزی ترجمہ اور مغرب زدہ لوگوں میں اس کی اشاعت بڑی مفید ثابت ہوگی۔ احقر کے ناقص خیال میں اگر مستقل طور پر ان کی اشاعت (انگریزی زبان میں) مشکل ہو تو ایک صورت یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ خود الحق کے چند صفحات کو انگریزی میں شائع ہوتے رہیں۔ مستقل یا اردو ہی کے بعض مضامین اگر انگریزی کر کے رسالہ کے بعض صفحات اس کے لئے مختص کر دئے جائیں۔ تو امید ہے کہ رسالہ مجمع البحرین اردو دان اور انگریزی دان دونوں طبقوں میں مقبول ہو جاوے گا۔

قاضی عبدالکریم۔ نجم المدارس کلاچی

حسبِ ارشاد اس فوجی مجاہد کا نام دیتہ درج کیا جاتا ہے۔

سید حمید شاہ ۔ پی سی این ایل پی ایچ ایس۔

معرفت۔ بلیٹ آفس کراچی۔

(ادارۂ الحق)